اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

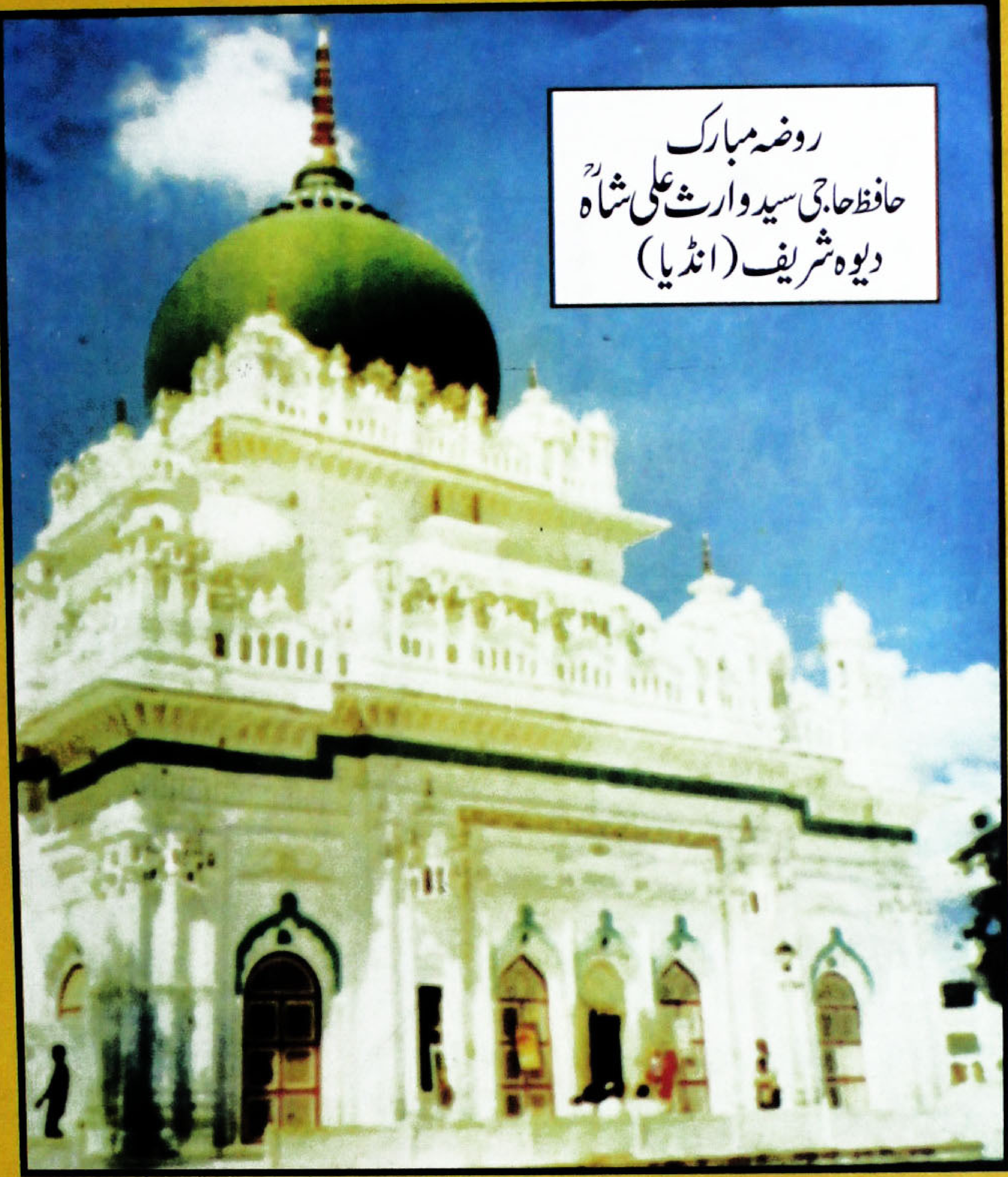

اُنیسویں صدی کا صوفی

از قلم

افتخار حسین وارثی کاکوروی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

اُنیسویں صدی کا صُوفی

مؤلف

افتخار حسین وارثی کاکوروی

(رجسٹرار چیف کورٹ لکھنؤ)

DATA ENTERED

مترجم

راشد عزیز وارثی

(ایم۔اے علومِ اسلامیہ، تاریخ و مطالعہ پاکستان)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد

۱۲۵۹۴
۱/

الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین

ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم

صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

ترجمہ (۱) سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کا۔ (۲) بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا۔ (۳) مالک ہے روز جزا کا۔ (۴) تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ (۵) چلا ہم کو سیدھے راستہ پر۔ (٦) راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا۔ (۷) نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔

(سورۃ الفاتحہ۔ پارہ نمبر 1)

Marfat.com

مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا
تَسْلِيْمًا

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اوراس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اُس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اے ایمان والو! تم بھی آپؐ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب ومحبت سے) سلام عرض کیا کرو۔

(سورۃ الاحزاب۔ آیت نمبر:56 پارہ نمبر:22)

صلّوا علی الحبیب

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ بِقَدْرِ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شان ولایت

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا
يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَفِى الْاٰخِرَةِ ط لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ط
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ:

سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ
غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر)
پرہیز گاری کرتے رہے۔ انہیں کیلئے بشارت ہے دنیوی زندگی
میں اور آخرت میں۔ نہیں بدلتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں۔
یہی بڑی کامیابی ہے۔

(سورۃ یونس = آیت نمبر: 62, 63, 64 پارہ: 11)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفیضانِ نظر

سرکار حضور عالم پناہ سیدنا حافظ و حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز

دیوہ شریف (انڈیا)

زیر سرپرستی

حضرت الحاج فقیر عزت شاہ وارثی مدظلہ العالی

منتظمِ اعلیٰ

آستانۂ عالیہ وارثیہ چھپر شریف (چنگا بنگیال)

تحصیل گوجر خان۔ ضلع راولپنڈی (پاکستان)

اشاعت باہتمام

مکتبہ وارثیہ: سنگھوئی۔ جہلم (پاکستان)

ناشر

بک کارنر پرنٹرز، پبلشرز اینڈ بک سیلرز مین بازار جہلم (پاکستان)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرفِ انتساب

نذرِ عقیدت و محبت بحضور

شبیہہِ وارثِ عالم نوازؒ

حضرت الحاج فقیر **عزت شاہ وارثی** مدظلہ العالی

سجا کر لختِ دل سے کشتیٔ چشمِ تمنا کو
چلا ہوں بارگاہِ عشق میں لے کر یہ نذرانہ

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

خاکِ درِ حبیب

راشد عزیز وارثی

Marfat.com

Hazrat Hafiz Haji Syed Waris Ali Shah

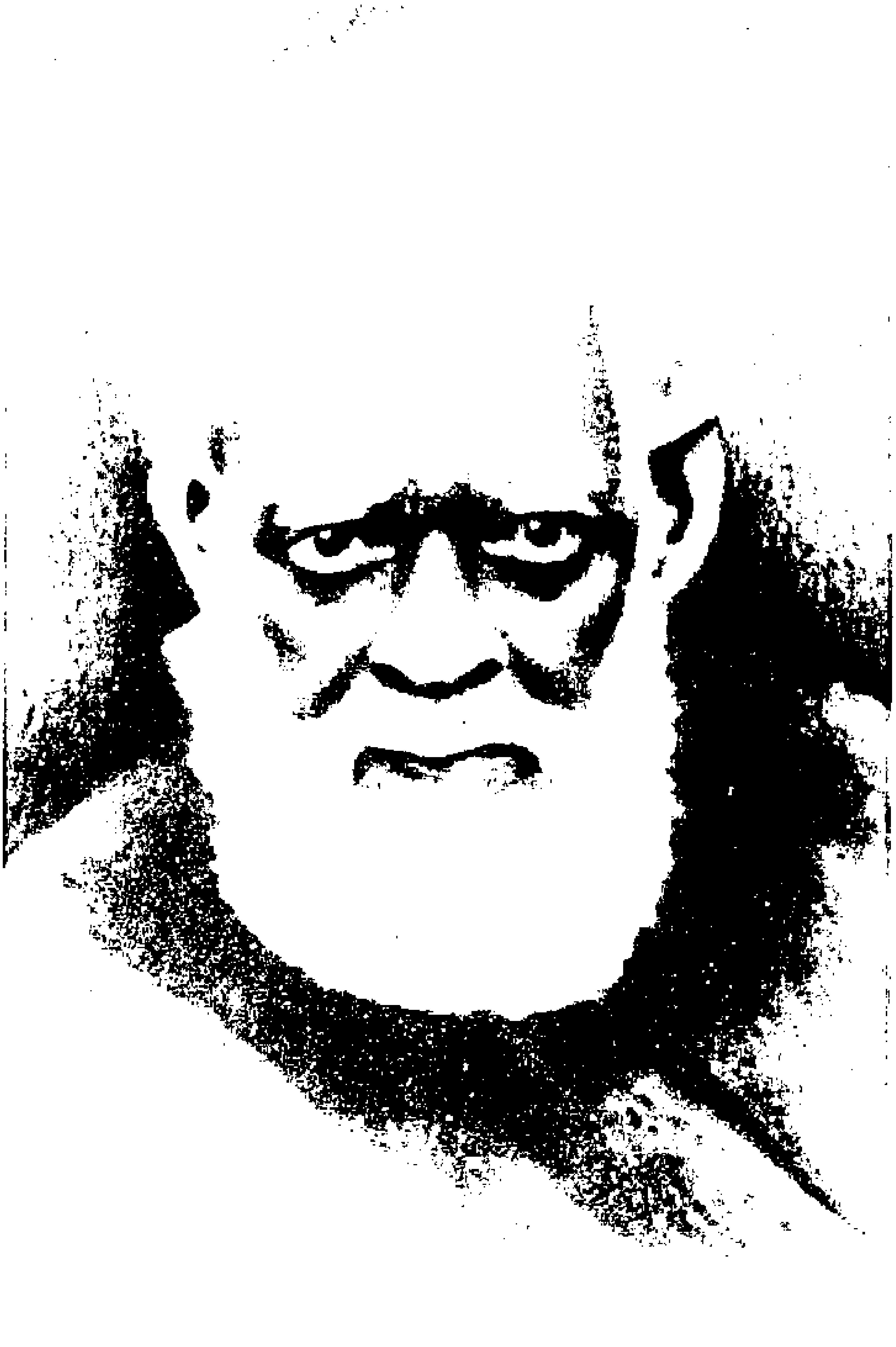

حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز

Marfat.com

Marfat.com

Hazrat Hafiz Haji Akmal Shah Warsi

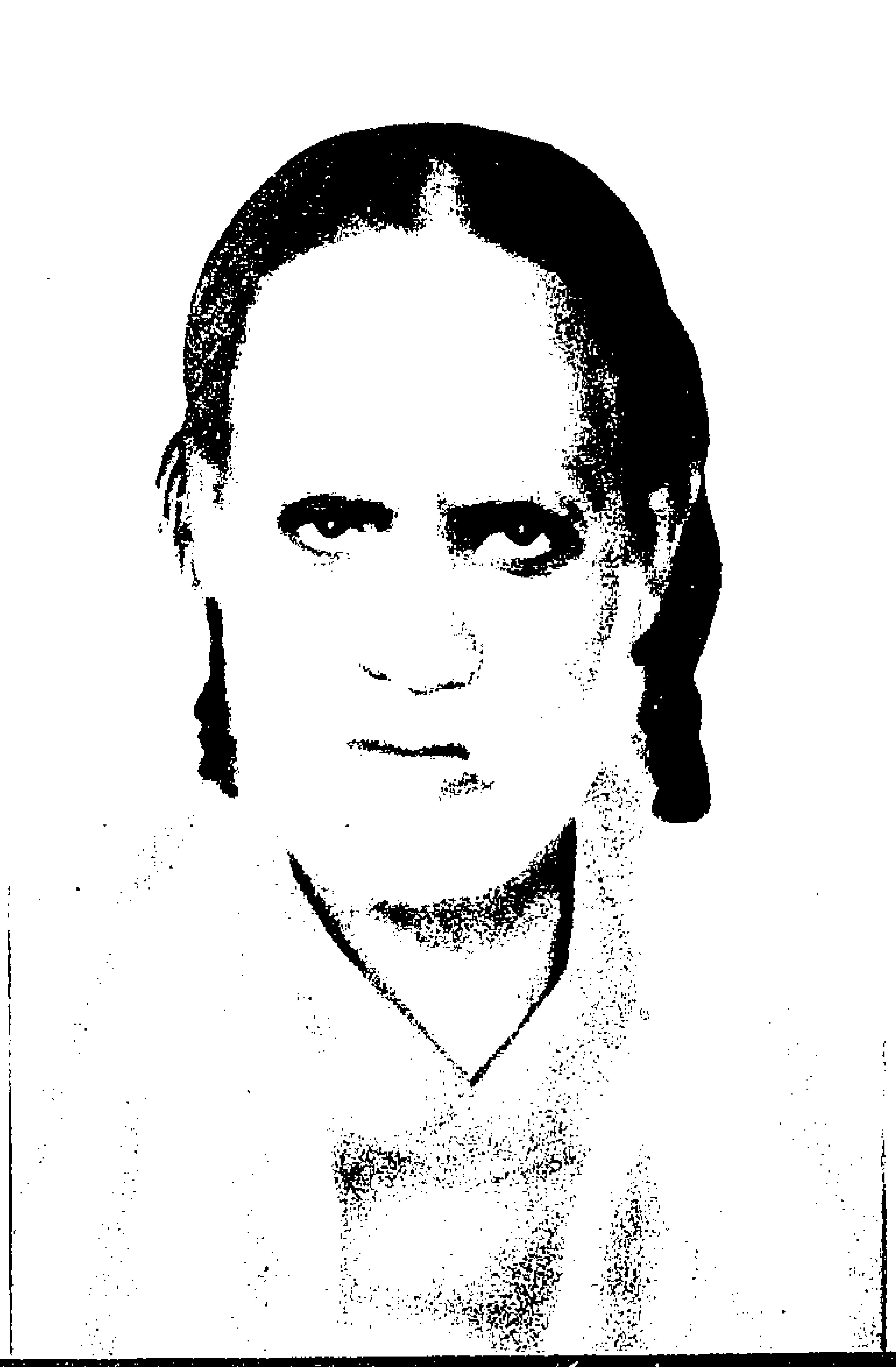

حضرت حافظ حاجی اکمل شاہ وارثیؒ (چھپر شریف۔ پاکستان)

Marfat.com

Marfat.com

Hazrat Haji Faqir Izzat Shah Warsi

حضرت حاجی فقیر عزت شاہ وارثی مدظلہ العالی

Marfat.com

Marfat.com

Tomb of Hazrat Hafiz Haji Akmal Shah Warsi

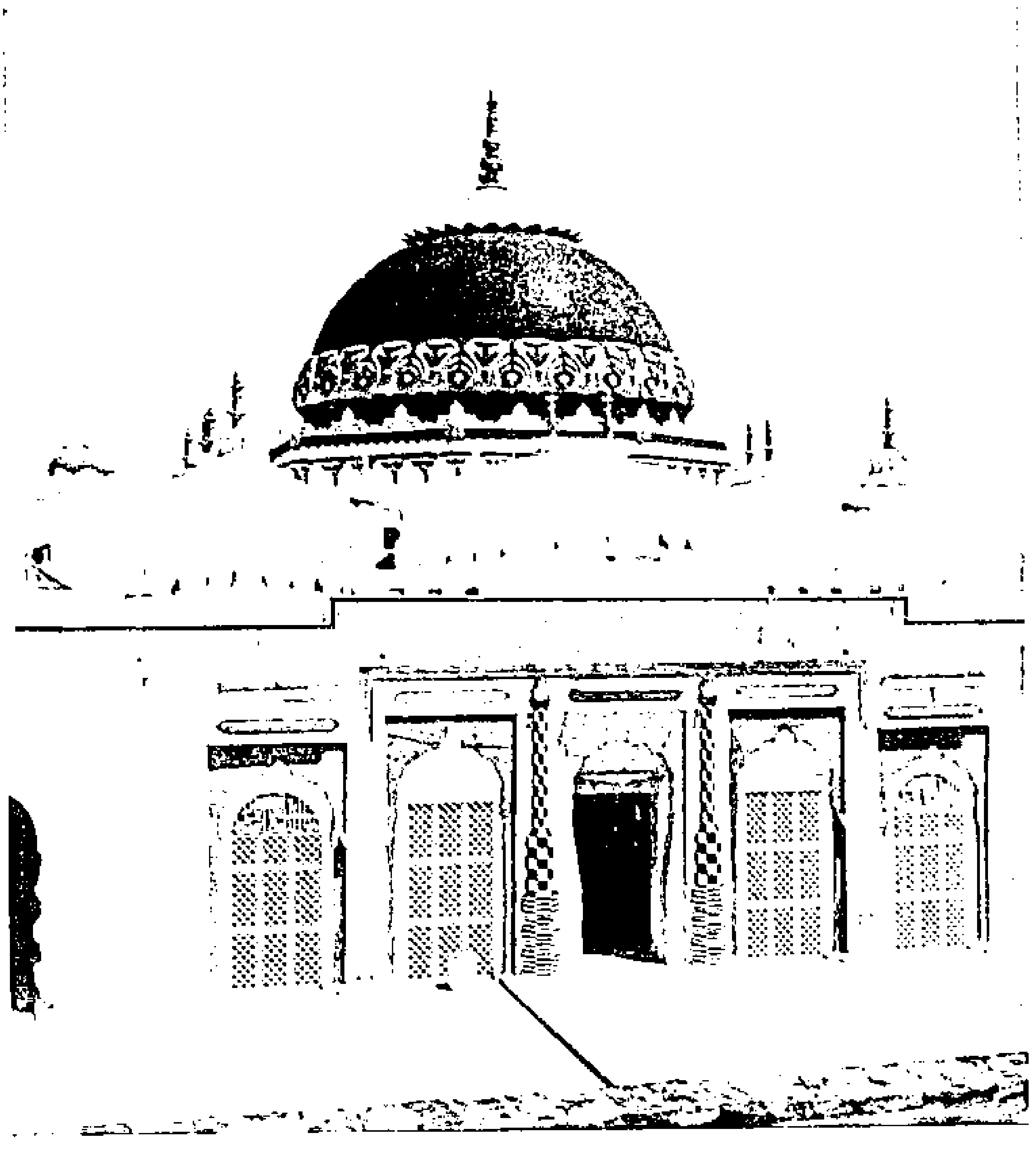

مزارِ مقدس حضرت حافظ حاجی اکمل شاہ وارثیؒ (چھپر شریف۔ پاکستان)

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اسلام کی صورت میں ہمیں کامل ترین نظامِ حیات اور جامع ترین پیامِ رحمت ومحبت عطا فرمایا۔ یہ بنی نوعِ انسان کی تمام تر انفرادی و اجتماعی روحانی و جسمانی اور معاشی و معاشرتی ضرورتوں کا کفیل اور ترقیوں کا ضامن ہے۔ اسلام میں عقائد وعبادات اور معاملات کی اساس قرآن وسنت پر رکھی گئی ہے۔ قرآن وسنت پر مبنی شریعت کی پیروی ہر ذی شعور مومن مسلمان پر فرض ہے۔ اسلام کا تقاضا اپنے پیروکاروں سے تزکیہ نفس، خلوصِ نیت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مطابق حسنِ عمل ہے۔

لیکن تقویٰ و پرہیزگاری، حسنِ عمل اور خلوصِ نیت جیسی ارفع واعلیٰ صفات سے متصف ہونا اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک کہ بندہ اپنے تمام تر افعال واقوال پر اللہ کریم کو سمیع وبصیر اور شاہد وناظر تصور نہیں کرتا۔ اسی کیفیت کی طرف حضور نبی کریم ﷺ نے اس فرمانِ عالی شان میں اشارہ فرمایا کہ ''احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو (کم از کم یہ تصور تو لازمی ہے کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

چنانچہ اسی احساس اور تصور بلکہ یقین سے کہ خالق و مالکِ کائنات میرے ہر قول وفعل سے واقف ہے اور ہر لحہ مجھے دیکھ رہا ہے، انسان کو ظاہری و باطنی صفائی میسر آتی ہے۔ یہی حالت احسان ہے اور اسی کیفیت کا نام تصوف ہے۔

یہی وہ پیغام ہے کہ جو پیغمبرِ اسلام سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ نے احسان کے نام سے صحابہ کرامؓ کو دیا اور اسی کی تعلیم حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر

Marfat.com

فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، سیدنا علی المرتضیٰؓ شیرِ خدا، حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ، حضرت زین العابدینؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ اور جملہ اصحابؓ صفہ نے دی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہی ''احسان'' کی تعلیم جب مختلف تشریحات وتوضیحات کے ساتھ حضرت خواجہ اویس قرنیؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ، حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے پیش کی تو تصوف کے نام سے موسوم ہوئی۔ اسی تصوف کی روشنی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ، سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ، شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ، حضرت نوشہ گنج بخش قادریؒ اور حضرت سیدنا حاجی وارث علی شاہؒ نے انسانیت کی اصلاح وفلاح کیلئے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔

حضرت سیدنا حافظ حاجی وارث علی شاہؒ نے احسان اور تصوف وطریقت کا یہ پیغام محبت کے نام سے اہل عالم تک پہنچایا۔ آپ روحانیت کی دنیا میں ایک عظیم سلسلہ، سلسلہ وارثیہ کے بانی ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کے مریدین پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کے حالاتِ زندگی، کرامات اور تعلیمات پر مبنی بے شمار تصانیف اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں میں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ یہ کتاب ''انیسویں صدی کا صوفی'' دراصل یو۔ پی کے ایک انگریز کمشنر کی قبلہ حاجی صاحب سے بے پناہ عقیدت ومحبت کا مظہر ہے۔ جسے جناب ڈپٹی سید افتخار حسین رجسٹرار چیف کورٹ لکھنؤ (یو۔ پی) نے مرتب کر کے شائع کرایا۔ یہ کتاب کافی عرصہ سے نایاب تھی۔ اب اسے دوبارہ وارثی احباب کی بے پناہ دلچسپی کے پیش نظر اردو ترجمہ کے ساتھ راجہ شکیل احمد وارثی (سنگھوئی۔ جہلم) کی کوششوں اور خصوصی تعاون کے ساتھ

Marfat.com

قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس کتاب کی اشاعتِ نو اور اس قدر خوبصورت اور عمدہ تزئین عکسِ جمالِ وارثِ عالم نواز حضرت الحاج فقیر عزت شاہ وارثی صاحب مدظلہ العالی کی بے پناہ محبتوں اور شفقتوں کی مظہر ہے۔ اللہ کریم پنجتن پاک کے صدقے میں آپ کا سایہ شفقت و محبت ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور آپ میخانہ وارث الاولیاء سے عشق و محبت سے لبریز جام عرفان آنے والوں کو پلاتے رہیں اور پینے والے سوز و گداز کی دائمی لذت اور کیف و سرور پاتے رہیں۔ آمین ثم آمین بحق سید المرسلین ﷺ۔

قیامت ہے رخِ زیبائے ساقی
زمانہ کیوں نہ ہو شیدائے ساقی
لگائیں کیوں نہ رندآنکھوں سے اس کو
کہ ہے اکسیر خاکِ پائے ساقی (نجمی برلاس)

مترجم کتاب ہذا

راشد عزیز وارثی

سنگھوئی۔ جہلم (پاکستان)

یکم صفر ۱۴۲۵ھ

۲۳ مارچ ۲۰۰۴ء

Marfat.com

پیش لفظ

یہ مقالہ اولاً 1922ء میں ایک پمفلٹ کی صورت میں خان بہادر ڈپٹی افتخار حسین وارثی کاکوروی نے اس وقت کے یو۔پی (آگرہ۔اودھ) کے بورڈ آف ریونیو کے ممبر مسٹر برن کی ذاتی خواہش اور درخواست پر تحریر کر کے شائع کرایا۔ 1927ء میں مصنف نے اسے دوبارہ شائع کرایا۔ اس کے بعد دیوہ شریف کے اس عظیم صوفی کی حیاتِ مبارکہ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کی خاطر گورنر جنرل آف پاکستان مسٹر غلام محمد نے اس کی اشاعتِ نو کا انتظام کیا۔

رضی احمد
مینجر
آستانہ وارثی

دیوہ شریف
دسمبر 1954ء

Marfat.com

تقریظ

(از: مرزا ابراہیم بیگ شیدا وارثی)

کتاب کا نام "انیسویں صدی کا صوفی" ہے جس کو نہایت شائستہ انگریزی میں خان بہادر مولوی افتخار حسین وارثی کاکوروی مرحوم رجسٹرار چیف کورٹ لکھنؤ نے تالیف فرمایا۔ لائق مؤلف نے بہ نظرِ اختصار حضور قبلہؐ عالم کے بعض حالات و عادات کا ذکر اس رسالہ میں کیا ہے لیکن ہمارے رہنمائے مظہرِ انوارِ الٰہی کے ہر ایک معمولی واقعہ میں حقانیت و روحانیت کی غیر معمولی شان ہے۔ اس واسطے قرینہ ہے کہ یہ مختصر مجموعہ یورپ کے اس بلند حوصلہ طبقہ کے حق میں زیادہ مفید ثابت ہو جو اس وقت مذہب حقہ کا متجسس اور روحانیت کا گردیدہ ہے۔

سبب تالیف اس کا ایک مقتدر یورپین کا اشارہ ہے جو زبانِ حال سے اپنی ارادت کا اظہار اور عقیدت کا اقرار کرتا ہے اور حضور قبلہؐ عالم کی عظمت و جلالت کی بہ آوازِ بلند شہادت دے رہا ہے۔ مسٹر برن ممبر بورڈ آف ریونیو جب بنارس کے کمشنر تھے اس زمانہ میں ان کو منجانب اللہ یہ خیال ہوا کہ ہندوستان کی وہ جلیل القدر اور کبیر الشان ہستی جس کی صورت و سیرت عین حقیقتِ عیسوی کی تصویر اور جس کا نورانی پیکر حقانیت کا مخصوص آئینہ ہے اس کے حالاتِ زندگی اعلیٰ پیمانہ پر مرتب کرنا ہماری سعادت کا باعث ہوگا اور اپنے اس خیال کو کامیاب بنانے کیلئے انہوں نے کوشش شروع کر دی۔ جو کتابیں اس مضمون میں شائع ہو چکی تھیں ان کو جمع کیا۔ تقریباً آٹھ دس فوٹو مختلف اوقات کے اس

Marfat.com

لئے بہم پہنچائے کہ ہر عہد کے واقعات کی تمہید اس زمانہ کے فوٹو سے شروع کی جائے۔ دیوئ شریف آئے۔ عمارت آستانہ اقدس کا نقشہ طلب کیا۔ تاریخ تعمیر جو کندہ ہے وہ نقل کی۔ سیرت میں جو کتابیں موجود تھیں ان کو دکھائی گئیں۔ لیکن شاید بجہت عدیم الفرصتی اس خدمت کو جب خود انجام نہ دے سکے تو کسی موقع پر مولوی افتخار حسین صاحب ممدوح سے سفارش کی کہ تم جناب حاجی صاحب قبلہ کی سیرت میں ایک رسالہ لکھو۔ چنانچہ مؤلف موصوف نے اس فرمائش کی تعمیل میں یہ رسالہ تالیف فرمایا۔ لہذا یہ رسالہ ایک باوقار یورپین کی ارادت کا نتیجہ ہے۔

Marfat.com

تعارف

یہ دستاویز درحقیقت 1922ء میں یو۔پی کی ہسٹاریکل سوسائٹی کے میگزین میں یو۔پی کے بورڈ آف ریونیو کے ممبر سر رچرڈ برن سی۔ایس۔آئی۔سی۔ایس کی اس موضوع پر انتہائی زیادہ دلچسپی کے پیش نظر شائع ہوئی۔احباب کے اصرار نے مجھے اس کی دوبارہ اشاعت پر آمادہ کیا۔لہذا کچھ ضروری ترامیم واضافہ کے بعد اب اسے موجودہ صورت میں پیش کر رہا ہوں۔

یہ سوال بجا طور پر اب بھی اٹھایا جا سکتا ہے کہ اس دور میں کہ جب عقیدے کے اندر روحانی عنصر کو اکثریت کیلئے برداشت کرنا مشکل سا ہو چلا ہے تو کیا اکثریت تصوف کے متعلق جاننے کی خواہش کر سکتی ہے (کیونکہ) میتھیو آرنلڈ کے بقول ''اکثریت بُری ہے'' ----- میں اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہوں کہ یہ مضمون ہر ایک کیلئے یکساں اہمیت کا حامل نہیں۔میرے خیال کے مطابق جو لوگ تمام رسوم و رواج کو ترک کر کے اپنا تعلق خصوصی طور پر انسان کی روحانی ترقی سے جوڑ لیتے ہیں۔اُن کا تعلق خواہ کسی بھی مذہب سے ہو۔وہ اس سلسلے میں، تنگ نظر متعصب فرقہ وارانہ مذہبی گروہ کہ جو اس راہ میں اندرونی اور بیرونی ہر اعتبار سے روڑے اٹکاتے ہیں، کی نسبت کسی قسم کے کوئی دلائل طلب نہیں کرتے۔علیٰ ھذا القیاس ایک چھوٹا سا گروہ خواہ اُس کا تعلق کسی بھی مذہب وملت سے ہو اگر وہ ان صفحات میں پیش کئے گئے عشق ومحبت کے آفاقی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر مثال بنیں اور اس طریقہ سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیں تو مذہبی منافرت اور چھوٹے چھوٹے فرقہ وارانہ اختلافات میں نرمی کے آثار پیدا ہو سکتے ہیں۔

جے پور

22 اگست 1927ء

سید افتخار حسین وارثی

Marfat.com

باب اول

''معرفت کے میدان میں داخلے کے خواہش مند کیلئے لازم ہے کہ وہ اس میں یوں داخل ہو جیسے ایک چھوٹا سا بچہ آسمانی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔'' (فرانسیس بیکن)

انیسویں صدی کے ربع اول میں جبکہ یورپ میں ریاستی جھگڑے اور شوروغل کم ہوا، جب ہندوستان میں مغلیہ حکومت کرب ناک زوال کی کیفیات سے دوچار تھی اور جب برطانوی حکومت کا دائرہ کار ملک کے دوسرے حصوں میں بھی انتہائی زیادہ تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اُس دور میں اودھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کی تعلیمات اور فرامین کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ بنی نوع انسان کی ناقابلِ یقین حد تک بے تحاشا تعداد کے مذہبی نظریات اور خیالات پر اثر انداز ہوں۔ آپ دیوہ شریف کے حاجی حافظ سید وارث علی شاہ صاحبؒ ہیں۔ دیوہ بارہ بنکی کے شمال میں ضلعی ہیڈ کوارٹر سے سات میل کے فاصلے پر ایک قدیم قصبہ ہے۔ دوسرے قصبوں کی طرح یہ قصبہ بھی وقت کی غارت گری کے ہاتھوں بچ نہ سکا۔ بدنما کھنڈرات اور ٹوٹی پھوٹی دیواریں ہر طرف نظر آتی ہیں۔ مادی انحطاط کے ساتھ ساتھ اخلاقی تنزل بھی کچھ کم نہیں۔ کبھی یہ علاقہ متعدد عظیم صوفیائے کرام اور خدا رسیدہ بزرگان کی جائے پیدائش کے حوالے سے اچھی شہرت رکھتا تھا۔ لیکن اب بدمعاشی کے اڈوں، سازشوں اور مقدمہ بازی کے باعث سخت بدنام اور رسوا ہے۔

حاجی صاحب اودھ کی ایک مشہور و معروف اور جانی پہچانی شخصیت تھے اور آپ کا نام ایک گھریلو مانوس قسم کا لفظ تھا۔ بہت کم لوگ ایسے تھے اور اب تو بہت ہی کم ہیں کہ جو آپ کے حالاتِ زندگی سے آشنا نہ ہوں۔ آپ ایک حسینی سید گھرانے میں پیدا

Marfat.com

ہوئے۔ جو علم و حکمت اور تقویٰ و پرہیز گاری میں ممتاز مقام کا حامل تھا۔ آپ کا شجرۂ نسب (جو انتہائی محتاط انداز سے محفوظ کیا گیا ہے) ظاہر کرتا ہے کہ آپ حضرت امام حسینؓ کی چھبیسویں پشت میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد سید قربان علی شاہؒ قصبہ کے ایک متمول رئیس زمیندار تھے اور ایک انتہائی بلند پایہ عالم فاضل شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنی تعلیم بغداد شریف میں مکمل کی تھی۔

حاجی صاحب کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں 1233ھ سے 1238ھ تک مختلف سنین بیان کئے جاتے ہیں۔ معارفِ وارثیہ (المعروف بہ مشکوٰۃ حقانیت از مولوی فضل حسین صدیقیؒ وارثی اٹاوی) کے مصنف کے مطابق درست تاریخ پیدائش 1234ھ کی ہے۔ جو بمطابق 1819ء ہے۔ آپ کا جو نامِ نامی اسمِ گرامی تجویز کیا گیا وہ اپنے اندر مخصوص اور عجیب و غریب معانی و مطالب سموئے ہوئے ہے۔ ''الوارث'' خدائے بزرگ و برتر کے ننانوے ناموں میں سے ایک (صفاتی نام) ہے۔ (جو قرآنِ پاک میں استعمال ہوئے ہیں) اس کے معنی یہ ہیں: وہ واحد و یکتا ہستیء مقدس کہ جس کی ذاتِ گرامی اس وقت بھی موجود ہوگی کہ جب اس دنیائے فانی کی ہر شے تباہ و برباد ہو جائے گی اور اس عالمِ رنگ و بو میں کسی وجود کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ یہ عہدِ قدیم سے صوفیائے کرام کا معمول چلا آ رہا ہے کہ مقامِ فناہ کے حصول کی خاطر اپنے آپ کو مقدس خدائی صفات میں سے کسی ایک کے ساتھ متصف کر دینا اور اپنے آپ کو اُس رنگ میں اس انداز سے رنگنا کہ وہ صفت بندے کی ذات و صفات پر مکمل طور پر غالب آ جائے۔ وہ صفت بندے کی انا اور نفس کو مکمل طور پر فناہ کر کے اس کو دائمی اور حقیقی معرفتِ خداوندی سے آشنا کرا دیتی ہے۔ یوں وہ بندہ اپنے آپ کو دنیا و مافیہا سے مکمل طور پر آزاد کرا لیتا ہے اور ترک کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔ یوں اُس کے نام کی ایک غیر معمولی صورت گویا آج بھی موجود ہے۔ (جو اس صفت سے کامل طور پر متصف ہے اور فناہ کے اس مقام و

Marfat.com

مرتبہ پر فائز ہے کہ جہاں) اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

ابھی آپ تین سال کے بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ کے والدین کا وصال ہو گیا آپ کی دیکھ بھال (اس قدر لاڈ پیار سے) یوں کی گئی کہ جیسے کسی غیر معمولی شیر خوار بچے کی کی جاتی ہے۔ پانچ سال کی عمر میں آپ نے قرآنِ پاک پڑھنا شروع کیا اور فقط دو سال کے قلیل عرصے میں اسے حفظ کر لیا۔ دوسری تعلیم پر آپ کوئی خاص توجہ نہ دیتے تھے۔ اگرچہ آپ اپنی کتابیں کبھی کبھار ہی پڑھتے لیکن آپ کے اتالیق کے لئے یہ امر انتہائی حیرت و استعجاب کا حامل تھا کہ آپ اپنا سبق ہمیشہ بالکل صحیح اور درست سناتے۔ آپ الہام سے سیکھتے ہوئے محسوس ہوتے۔ آپ گوشہ تنہائی میں محو و مستغرق رہنے کو کتابوں (کے مطالعہ) پر ترجیح دیتے اور اکثر دور دراز ویران و سنسان جگہوں کی طرف نکل جاتے۔ آپ کا زیادہ تر وقت خلوت و تنہائی میں غور و فکر میں گزرتا۔ ایک دفعہ جب آپ کو تلاش کیا گیا تو آپ ایک جنگل میں مراقب پائے گئے۔

آپ کبھی بھی اپنی عمر کے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے نظر نہ آتے تھے۔ لیکن آپ اُن پر انتہائی مہربان اور شفیق ضرور تھے۔ ان میں مٹھائی بانٹ کر اور غرباء میں روپے تقسیم کر کے بے حد مسرور ہوتے۔ آپ کو قصے کہانیاں سننا بہت پسند تھا اور شاعری بھی بڑے ذوق و شوق اور خوشی سے سنتے۔ تیر اکی کا بھی آپ کو بہت شوق تھا۔

آپ کے سوانح نگار آپ کے تحصیل علم اور تعلیمی منازل و مراتب کے موضوع پر خاموش ہیں۔ تاہم یہ ایک یقینی امر ہے کہ آپ نے کتابوں سے کوئی خاص اکتساب نہیں کیا۔ لیکن جب بڑی عمر میں بعض لوگ دور دراز سے آپ کے پاس آتے اور دینی مسائل پر بحث مباحثہ کرتے بلکہ بعض تو اس حد تک اس قدر دور تک چلے جاتے کہ اپنے متزلزل عقائد کی وجہ سے آپ پر اعتراضات کرتے اور جھوٹے الزامات تک لگا دیتے تو آپ اُن سے نزاع اور مناقشہ ہرگز پسند نہ فرماتے۔ آپ کے مختصر مگر جامع جوابات نہ صرف حریفوں کے منہ بند کر دیتے بلکہ متنازعہ موضوع پر آپ کے علم و ادراک

Marfat.com

کا منہ بولتا ثبوت بھی ہوتے۔ آپ عربی، فارسی اور پشتو بھی بول سکتے تھے۔ غالباً آپ نے یہ زبانیں دورانِ سفر سیکھی ہوں گی۔

آپ کا معمول تھا کہ اکثر دیوہ شریف کے صوفی درویش شاہ عبدالمنعمؒ کے مزارِ اقدس پر حاضری دیتے اور کئی کئی راتیں وہاں عبادت و ریاضت میں گزارتے۔ آپ کے اردگرد موجود لوگوں کو جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ آپ اہلِ زمین میں سے نہیں ہیں۔ آپ کے بہنوئی حاجی سید خادم علی شاہؒ جن کا قیام لکھنؤ میں تھا۔ اس دور میں علماء و صوفیاء میں ایک نمایاں اور عظیم مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے بچے (حاجی وارث علیؒ شاہ عرف مِٹھن میاں) کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی اور جب آپ گیارہ سال کی عمر کو پہنچے تو سید صاحب نے آپ کو بیعت فرما کر ضروری روحانی تربیت سے مزین کرتے ہوئے اسرار و رموز سے بھری پُراسرار وادی میں داخل کر دیا۔ ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا ہوگا کہ حاجی خادم علی شاہؒ واصل بحق ہو گئے اور ان کا روحانی ورثہ آپ (سیدنا حاجی وارث علی شاہؒ) کو تفویض کر دیا گیا کہ جن کے قدموں پر آنے والے وقتوں میں ہزارہا مخلوق جھکنے والی تھی۔ (حاجی خادم علی شاہؒ صاحب کا مزارِ مبارک گولا گنج میں واقع ہے۔ اب یہ کرسچن کالج لکھنؤ کے پرنسپل کی رہائش گاہ کے احاطہ میں ہے۔)

چودہ سال کی عمر میں آپ نے لوگوں کو اپنے حلقہ بیعت میں داخل کرنا شروع کر دیا۔ یوں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے پیروکاروں میں شامل ہو گئی۔ عشقِ حقیقی کی دہکتی آگ نے آپ کا رخ ایک خاص سمت پہ متعین کر دیا۔ چنانچہ آپ ابھی صرف پندرہ سال کے ہی تھے کہ سفرِ حج پر مکہ مکرمہ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ آپ نے اپنی تمام جائیداد ایک گراں بہا لائبریری سمیت اپنے رشتہ داروں کے حوالے کر دی اور اپنی زمین جائیداد سے متعلقہ تمام دستاویزات کو ضائع کر دیا۔ جب آپ نے گھر چھوڑا تو تمام دنیاوی مال و متاع لٹا چکے تھے اور کوئی چیز ایسی نہ تھی جسے آپ اپنی ملکیت قرار دے سکتے۔

Marfat.com

آپ کا طرزِ حیات درویشانہ (تجرد و تفرد والا) تھا۔ اس امر کی نشاندہی اس ریاضت و مجاہدہ سے بخوبی ہوتی ہے کہ آپ اس قدر چھوٹی سی عمر میں (مسلسل تین تین دن کا روزہ رکھتے اور) تین دن میں فقط ایک مرتبہ کھانا کھاتے۔ آپ نے مسلسل بارہ سال تک عرب، شام، فلسطین، عراق، ایران، ترکی، روس اور جرمنی کی سیاحت فرمائی۔ یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ آپ کی اس قدر طویل سیاحت کی کوئی تفصیلات ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔

آپ کے سوانح نگاروں نے بہت سے محیر العقول واقعات بیان کیے ہیں جنکا تذکرہ ہم دلائل و براہین کی کمی کے باعث یہاں نہیں کر رہے۔ آپ بذاتِ خود شاذونادر ہی کبھی اپنے بارے میں کچھ بیان فرماتے۔ ایک ساتھی سے کافی زیادہ بحث و تمحیص کے بعد خام مواد سے چند ایک چیزیں میں نے اکٹھی کی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس سفر کے دوران آپ نے دس مرتبہ حج بیت اللہ ادا فرمایا۔ ایک دن کعبۃ اللہ کے اندر آپ چند اشعار گنگنا رہے تھے جن کا پہلا مصرع یہ تھا کہ ''عشق میں تیرے کوہِ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو'' خدام کعبہ میں سے ایک آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا لگتا ہے کہ آپ بھول رہے ہیں کہ یہ خدا کا گھر ہے۔ آپ نے تیزی سے اُسے یہ دندان شکن جواب دیا کیا تم وہ جگہ بتا سکتے ہو جہاں خدا موجود نہ ہو۔

حج کی انتہائی اہم رسوم میں سے ایک یہ ہے کہ دورانِ حج عارضی طور پر (عام روزمرہ استعمال والے) کپڑے اتار کر احرام باندھ لیا جاتا ہے۔ (عام روزمرہ والے کپڑوں کی جگہ ایک اَن سلی چادر جسے تمام جسم کے گرد لپیٹا جاتا ہے۔ احرام کے نام سے موسوم کی جاتی ہے) حج کے بعد حاجی دوبارہ اپنا معمول کا لباس پہن لیتے ہیں لیکن حاجی وارث علی شاہؒ صاحب نے اپنے پہلے حج مبارک کے بعد احرام کو روزمرہ استعمال کے لباس کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پہن لیا۔ بعد ازاں آپ نے ٹوپی اور جوتا بھی ہمیشہ کیلئے ترک فرما دیا۔ آپ نے بے شمار ممالک کی سیاحت فرمائی لیکن اس دوران

Marfat.com

سوائے سمندر پار کرنے کیلئے کشتی یا جہاز کے، کبھی کسی گھوڑے یا گاڑی پر سفر نہ کیا۔ آپ نے سلطان عبدالمجید اول کے دور میں قسطنطنیہ کی سیاحت فرمائی۔ ایک دن حاجی صاحب محل کے باغات کی سیر و سیاحت کیلئے تشریف لے گئے۔ جس کا اہتمام آپ کے ایک مریدِ خاص (عبداللہ حاجب دربارِ شاہی) نے کیا تھا۔ اچانک سلطان وہاں آ پہنچا۔ وہ اس نورانی پیکر مقدس اجنبی کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور آپ سے بیعت کی درخواست کی جسے آپ نے قبول فرماتے ہوئے اُس کو داخل سلسلہ فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے ان علاقوں میں، کہ جہاں کبھی اسلام پروان چڑھا اور استحکام پایا، عارضی قیام کے دوران ہزاروں افراد آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے۔ یہ تصور بھی محال ہے کہ آپ کو اس قدر چھوٹی سی عمر میں تصوف کے میدان میں کس قدر بلند و بالا مقام و مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔ آپ نے لوگوں میں وہ جوش و جذبہ پیدا کر دیا کہ آپ سے بڑی عمر کے لوگ آپ کے یوں تہِ دل سے معتقد ہو گئے کہ اپنی تمام عمر روحانی زندگی کیلئے وقف کر دی۔ آپ کو ہر مذہب و ملت کے مقدس مقامات پر خوش آمدید کہا جاتا اور سب سے زیادہ برگزیدہ خیال کیا جاتا۔ تاریخ تصوف اس امر کی کوئی اور مثال دینے سے قاصر ہے کہ آپ کے علاوہ کبھی کوئی اور ایسا کم عمر درویش اس قدر جلد اور خصوصاً دور دراز ممالک میں مرکزِ نگاہ بن گیا ہو۔ آپ نے اپنے پیدائشی اور خلقی عشقِ الٰہی کے ساتھ اپنی ذہنی قوتوں کو مجتمع کر کے وہ روحانی مقام پالیا جو دوسرے صوفیانہ مذاہب و مسالک میں کئی کئی سال کے سخت مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد حاصل ہوتا تھا۔

یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ برلن (جرمنی) کی سیاحت کے دوران حاجی صاحب پرنس بسمارک (بانی جرمن ایمپائر) کے مہمان رہے۔ ہم اس بات کی کمی شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ مستقبل کے سیاستدان اور خدا کے ایک عاجز و منکسر بندے کی آپس میں ملاقات کیونکر ہوئی اور ان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی۔

آپ حجِ بیت اللہ کیلئے ہندوستان سے سات مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

Marfat.com

ان میں سے تین مرتبہ یہ سفر افغانستان کے سنگلاخ چٹیل خوفناک پہاڑوں کے راستے ننگے پاؤں گزرتے ہوئے پیدل طے فرمایا۔ جب آپ تقریباً دس سال کے بعد وطن واپس لوٹے تو آپ کے اپنے لوگ بھی آپ کو پہچان نہ سکے۔ آپ کا آبائی مکان کھنڈر بن چکا تھا۔ آپ نے تمام گاؤں کا چکر لگایا۔ لیکن کوئی بھی ایک فقیر کو خوش آمدید کہنے آگے نہ بڑھا۔ آپ کے کچھ عزیز واقارب نے تو آپ کی آمد کی خبر سن کر بالکل ہی کنارہ کشی اختیار کر لی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ان سے اپنی جائیداد کا مطالبہ ہی کر دیں۔ جس پر انہوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ آپ اُن کی سرد مہری پر مسکرائے اور فرمایا کہ "اُن کا خیال ہے کہ ہم اپنی جائیداد کے حصول کی خاطر واپس آئے ہیں۔ ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔" آپ بہت جلد وہاں سے چلے گئے اور اپنی مسافرانہ زندگی پھر سے شروع کر دی۔ آپ غالباً 1857ء میں لکھنؤ واپس تشریف لائے۔ جہاں چند لوگوں نے آپ کو بغاوت سے قبل دیکھا۔ آپ نے تقریباً پچاس سال یا اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ سیاحت میں گزارا۔ لیکن اس دور کے بہت کم حالات منظرِ عام پر آئے۔ یہاں تک کہ 1899ء میں آپ نے واپس تشریف لا کر اپنے مریدین و محبین کی استدعا پر دیوہ شریف میں مستقل قیام منظور فرمالیا تاہم اس کے بعد بھی اپنے آبائی علاقہ کے گردونواح میں اکثر و بیشتر مختصر وقت کیلئے تشریف لے جاتے۔

حاجی صاحب کی طرزِ زندگی تارک الدنیا ہونے کے باعث بالکل مجردانہ رنگ اختیار کر گئی تھی۔ یہ گوشہ نشینی کی کیفیت یقیناً آپ کے حسب حال تھی۔ کیونکہ جو عین عالمِ شباب میں عشقِ حقیقی میں فناہ ہو کر دنیا و مافیہا سے دست بردار ہو جائے اس کیلئے اس کے علاوہ اور کونسا طرزِ حیات ہو سکتا ہے۔ لیکن انسانی جذبات کی قربانی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کا دل سوز و گداز سے خالی تھا۔

آپ چونکہ ہر وقت محوِ ذات رہتے تھے چنانچہ غور و فکر اور انہماک و استغراق کے باعث بہت کم اور مختصر گفتگو فرماتے۔ آپ نگاہیں نیچی کئے تیز مگر دھیمے لہجے میں گفتگو

Marfat.com

فرماتے۔ آپ اکثر اپنی بات کے معانی و مفاہیم پر زور دینے کیلئے اپنے الفاظ کو دہراتے۔ گو آپ کی گفتگو بغض و حقارت سے پاک، سادہ اور مختصر ہوتی لیکن آپ احساسِ ظرافت سے بے بہرہ نہ تھے۔ گویا آپ ابوسینا کی بیان کردہ عارف کی تعریف کی بہترین مثال تھے کہ اَلْعَارِفُ فَرِحُوْنَ بَشَّاشُوْنَ بِسَمُوْنَ (یعنی ایک عارف کے چہرہ پر ہمیشہ فرحت، بشاشت اور مسکراہٹ ہوتی ہے۔) آپ کا اندازِ تکلم نہایت شگفتہ تھا۔ دورانِ گفتگو اکثر مسکراتے مگر یہ مسکراہٹ کبھی قہقہے کی حد تک نہ بڑھی۔ غرباء و مساکین کو آپ خصوصی توجہ شفقت اور مہربانی سے نوازتے۔ آپ کا عمومی رویہ بھی انتہائی عجز و انکساری کا حامل ہوتا۔ آپ کا ظاہر آپ کے باطن کے عین مطابق تھا۔ آپ کے خدوخال انتہائی حسین و جمیل تھے۔ پیشانی مبارک دانشورانہ اور مدبرانہ نشانیوں کی حامل اور غیر معمولی حد تک کشادہ تھی۔ لیکن آپ کے حسن و جمال کی کشش کا اصل مرکز آپ کی آنکھیں تھیں جو انتہائی مسحور کن، دلکش اور ایسی متاثر کن مقناطیسی قوت کی حامل تھیں کہ جن کے وار سے کوئی بچ نہ سکتا تھا۔ جب آپ کسی ہجوم یا مجمع کے ساتھ چل رہے ہوتے تو آپ کا سرِ اقدس سب سے بلند نظر آتا۔ آپ کبھی کرسی یا صوفہ پر تشریف فرما نہ ہوئے اور نہ ہی کبھی چارپائی یا پلنگ استعمال فرمایا۔ آپ ساری زندگی فرش پر آرام فرما ہوئے لیکن بغیر تکیہ کے۔ آپ کے بعض مریدین کا بیان ہے کہ آپ کو کبھی غفلت کی نیند سوتے ہوئے نہیں پایا گیا۔

اگر آپ کبھی کسی ایک سڑک یا رستے سے گزرتے تو پھر جب بھی دوبارہ آپ کا گزر اس جگہ سے ہوتا تو دوبارہ اسی رستہ سے تشریف لے جاتے۔ اگر آپ کو کسی دوسرے رستے سے لے جایا جاتا تو فوراً واپس آتے اور اسی پرانے رستے پر چلتے۔ اسی طرح دورانِ سفر جائے قیام اور انتخاب میزبان کے متعلق بھی سختی سے وضعداری پر کاربند رہتے۔ یہ صفت (وضعداری) اُن نایاب اخلاقی خصوصیات میں سے ایک ہے جن سے دائمی تعلقات اور پرخلوص مراسم پروان چڑھتے ہیں۔ آپ کے نزدیک کسی شخص سے

Marfat.com

ایک مرتبہ کی ملاقات ہمیشہ کی ملاقات کے مترادف تھی۔ آپ محرم الحرام کے ابتدائی دس دنوں میں غیر معمولی خاموشی اختیار فرما لیتے۔ تاہم آپ مرثیے سننا پسند فرماتے۔ لیکن آپ تاکید فرماتے کہ خوش الحانی کے ساتھ سانحہ کربلا کے حقیقی واقعات بیان کیے جائیں۔ آپ ظاہری دکھاوے کے ماتم کی حوصلہ شکنی فرماتے۔ جب تعزیہ آپ کے آستانہء مبارک کے پاس سے گزرتا تو آپ اس کے احترام میں کھڑے ہو جاتے اور بعض اوقات تعزیہ کے ساتھ بھی جاتے۔ آپ محرم الحرام کے دوران موسیقی (قوالی) ہرگز نہ سنتے۔ دوسرے اوقات میں جب سماع کا اہتمام ہوتا تو کبھی آپ پر وجد و حال کی وہ کیفیات نہ دیکھی گئیں جو عموماً کم درجے کے صوفیوں پر وارد ہوتی رہتی ہیں۔

درج بالا سطور میں آپ کے روزہ کے معمول کے حوالہ سے بات ہو رہی تھی۔ آپ پندرہ سال سے چالیس سال کی عمر مبارک تک سات دنوں کا روزہ رکھتے رہے اور ساتویں دن افطار کرتے۔ بعدازاں یہ وقفہ تین دن کا ہو گیا۔ پچاس سال کی عمر میں آپ اکثر بیمار رہنے لگے۔ چنانچہ آپ کے معالجین نے اصرار کیا کہ آپ دن میں دو مرتبہ غذا ضرور استعمال فرمایا کریں۔ آپ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا لیکن اس پر عمل برائے نام ہی تھا۔ آپ نے اپنی مثال کے ذریعہ یہ ثابت فرما دیا کہ آدمی صرف غذا کے سہارے ہی نہیں بلکہ فقط خدا کے سہارے بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

☆☆☆

۱۲۵۹۴۶

Marfat.com

باب دوم

آپ کی صوفیانہ تعلیمات بیان کرنے سے قبل تصوف کے متعلق کچھ بیان کرنا غلط نہ ہوگا۔ یونانیوں کے "صوفیانہ اسرار و رموز" (یہ ایتھنز کے مہذب اور باشعور شہریوں کی ایک ایسی تنظیم تھی کہ جس کے اندر صرف صاحبانِ اسرار سالکین حق کو داخلہ دیا جاتا تھا۔ وہ مذہب کے مشہور اور سرسری تصورات کی بجائے ذاتِ حق کے زیادہ قریبی تصور اور مشاہدہ کے تمنائی تھے۔) کے برعکس یہاں کسی قسم کے کوئی اسرار و رموز نہیں ہیں۔ ابتدائی دور کے صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کی زندگیوں کے گرد داستانوں اور اسرار کا ایک ایسا ہالہ قائم ہے جس میں تصوف کے ساتھ مافوق الفطرت تصورات و کیفیات کو وابستہ کر دیا گیا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے عوام کی نگاہ میں فری میسنری تحریک کو جادو کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ تصوف کی بنیاد کسی چیز کی شدید طلب اور خواہش کیلئے محض رسوم ورواج کی بجائے راسخ الاعتقادی پر ہے۔ ابنِ خلدون نے مقدمہ میں اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے ساتھیوں اور پیروکاروں میں تصوف کے اہم اور بنیادی اصول وضوابط اسی دور میں رائج ہو گئے تھے لیکن دوسرے دور میں جب مسلمانوں میں مادیت پرستی پیدا ہو گئی تو وہ صاحبان جو مذہبی رجحان رکھتے تھے انہوں نے تقویٰ و پرہیزگاری اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ انہوں نے اپنا ایک علیحدہ حلقہ قائم کر لیا۔ جنہیں عرف عام میں صوفی کہتے تھے۔ (صوفی کی اصطلاح پہلی دفعہ کرا کے ابو ہاشم (دوسری صدی ھجری / 800 سن عیسوی) کیلئے استعمال کی گئی۔ اگرچہ حسن بصریؒ کو کچھ مستند روایات کے مطابق اس تحریک (تصوف) کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔)

جامی کہتے ہیں کہ ابو ہاشم کی زندگی میں صوفیا کی پہلی خانقاہ ایک شریف النفس عالی مرتبہ عیسائی کے ہاتھوں تعمیر ہوئی۔ یہ اسلام میں راہبانہ طرزِ حیات کی ابتداء تھی جو

Marfat.com

اگر چہ پیغمبر علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف تھی کہ ''اسلام میں راہبانیت نہیں۔'' یہ صوفیاء کے ذریعے تصوف کا حصہ بن گئی۔ یہ غالباً آرام کی زندگی اور گوشہ نشینی کی خواہش ہوگی جو بالآخر انتہائی صورت میں مکمل طور پر ترکِ دنیا کی شکل اختیار کرگئی۔ لیکن صوفیائے کرام کی اکثریت دنیا میں قیام کرنے پر یقین رکھتی تھی نہ کہ اس سے تعلق رکھنے پر۔ آغاز میں اُن کو بہت زیادہ تمسخر وتضحیک کا نشانہ بنایا گیا اور وہ لوگ جو قانون کی روح کی بجائے فقط اس کے الفاظ کے سرسری عامل تھے وہ انکی اس روش پر اعتراض کرتے تھے جیسا کہ آج کچھ مسلمان طبقے یا فرقے کررہے ہیں۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ان لوگوں کو اپنی صفوں میں مشہور فقیہہ اور عارف دکھائی دینے لگے۔ امام شافعیؒ (ایک عظیم مسلم فقیہہ) کہتے ہیں کہ تمام اہلِ عالم کا مجموعی روحانی علم بھی اُن کے علم کی برابری نہیں کرسکتا لیکن پھر بھی یہ علم صوفیاء کے علم سے کم ہے۔ تیسری صدی ھجری میں تصوف کے عقائد ونظریات میں خاطر خواہ ترقی ہوئی اور اس گروہ کے چند ایک انتہائی ترقی پسند عناصر کا خانقاہی نظام کے سرپرستوں اور رہنماؤں سے تنازعہ شروع ہوگیا۔ جو بالآخر منصور ابنِ حلاج کیلئے سزائے موت کا حکم صادر ہونے پر اپنے انجام کو پہنچا۔ یہ کہانی زبان زدِ عوام ہے کہ کس طرح اس کا جواز تلاش کیا گیا۔ ان سے منسوب انتہائی خوبصورت اقوال میں سے ایک یہ ہے کہ جو کوئی خدا کی پرستش کسی عام رسمی مذہب کی روشنی میں کرتا ہے۔ وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی سورج کو ستاروں کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ جو کہ قرونِ اولیٰ کے انتہائی عظیم اور ممتاز صوفی تھے ان کے مطابق کسی درویش کی پرکھ اور پہچان کرامت کا اظہار نہیں بلکہ تقویٰ وپرہیزگاری کی سنہری اور سچی زندگی ہے۔ اندر کی روشنی کی طلب اور چاہت نے اسلامی دنیا کے قلوب اور خیالات میں گھر کرلیا اور تصوف مذہبی حلقوں میں جنون کی حدوں تک جا پہنچا۔

مشرق اپنے تصوف کی وجہ سے بہت مشہور ومعروف ہے۔ اسلام کی آمد سے قبل تصوف صرف قدیم ہندوؤں میں ہی رائج نہ تھا بلکہ عیسائیوں میں بھی عام تھا۔ اس

Marfat.com

توجیہہ کی وجہ شاید یہ ہے کہ مغربی مصنفین یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ تصوف ویدانت کے فلسفہ (علمِ حاضرات) یا نوافلاطونیت سے اخذ کیا گیا ہے۔ ابنِ خلدون کی عظیم سند (جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) نے اس نظریہ کی مکمل طور پر تردید کردی ہے کہ تصوف دامنِ اسلام پہ لگایا گیا ایک پیوند ہے۔ اس اختلاف کی اصل وجہ عام مسلمانوں کے خیالات ہیں۔ حالانکہ تصوف کی بنیاد کسی بیرونی چیز پہ نہیں بلکہ مکمل طور پر قرآنِ پاک کی تعلیمات پر ہے۔ وہ عظیم شخصیت کہ جنہوں نے سب سے پہلے تصوف کو ایک مستقل شکل دی حضرت امام غزالیؒ تھے۔ جو پانچویں صدی ھجری میں ہوئے ہیں۔ آپ تصوف کو محض راہبانیت سے ممیز کرنے کے متمنی تھے۔ لہذا آپ نے تصوف کو راسخ الاعتقادی کے ساتھ اتحاد اور انس سے منسلک کیا اور اسے الہامی اور الٰہیاتی بنیادوں پر متعین کیا۔ لیکن تصوف محض عالمِ ارواح کے مطالعہ کا نام ہی نہیں بلکہ کائنات کی حقیقت تک پہنچنے کا ایک عملی طریقہ ہے۔ اس گروہ کی محض تاریخ جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس میں بصیرت سے اکتساب کیا جانا چاہیئے۔ تصوف کا سب سے پہلا سبق یہ ہے جو عام آدمی کی دسترس سے باہر ہے کہ فناہ کی منزل ذوق وشوق کے ساتھ تقویٰ سے منسلک ہے۔ لہذا طریقت کے اسرار ورموز فقط چند ایک اُن منتخب افراد کو عطا کئے جاتے ہیں جن میں روحانی ترقی کی خواہش اور صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روحانیت پر اسرار کا ایک پردہ ہمیشہ موجود رہا ہے۔

صوفیاء کے دائمی ابدی اور آفاقی پیغام کی بنیاد محبت پر ہے۔ یہ لفظ اُن کی طرف سے بڑے تکنیکی انداز میں استعمال کیا گیا ہے۔ مولانا رومؒ کے مطابق یہ وہ جوہر ہے جو غیر مرئی ذرات کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے جو کہ ایک دوسرے کے درمیان (باہمی) کشش کا ذریعہ بنتا ہے۔ (مولانا جلال الدین رومیؒ (604ھ تا 672ھ) جو کہ تصوف میں ایک بہت بڑی اتھارٹی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور مثنوی میں ایسے نظریات پیش کئے ہیں جو کششِ ثقل اور قانونِ ارتقاء سے مطابقت رکھتے ہیں۔

Marfat.com

آپ نے انسان کی ابتداء کا تعلق مادے سے جوڑا اور ارتقاء کی ان منازل کا تذکرہ کیا جن سے انسان آج تک گزرا ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ایک صوفی نے ان نظریات کو (چاہے وہ کتنی ہی ابتدائی شکل میں کیوں نہ رہے ہوں) نیوٹن اور ڈارون کے پیدا ہونے سے صدیوں پہلے دریافت کیا اور ان سے بحث کی۔ یہ معاملہ مغربی سائنسدانوں اور ہمارے طالب علموں کی نوجوان نسل کیلئے قابلِ توجہ ہے۔ چنانچہ ایمانداری کا تقاضا یہ ہے کہ مشرقی صوفیاء کو فطرت کے قوانین کا زیادہ حقیقی عالم تسلیم کیا جائے) یہ قانون نامیاتی میدان میں موجود ہے۔ آپ نے ابدان کے باہمی میلان اور ایک دوسرے سے محبت کے رجحان کی وضاحت کی ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ انسان مادے سے ترقی پا کر ارتقاء کی انتہائی صورت کو پہنچ کر اسباب کے ساتھ ودیعت کیا گیا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "خدا کی محبت کو صحیح طور پر سمجھنا بہت مشکل امر ہے۔ کیونکہ علماء کا ایک گروہ تو اس بات سے سختی سے انکار کرتا ہے کہ انسان اس سے پیار کر سکتا ہے جو اس کی صنف سے تعلق ہی نہیں رکھتا۔ وہ خدا کی محبت کی حدود قائم کرتے ہیں کہ اس کی فقط فرمانبرداری کی جاسکتی ہے۔ اس کی محبت فقط اس کے علم سے حاصل کی جاسکتی ہے۔" لیکن اس محبت کی بڑی وجہ، جس کی وضاحت کی گئی ہے یعنی انسان کا قربِ الٰہی پانا جس کا حوالہ اس حدیثِ نبوی ﷺ میں ملتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: درحقیقت اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔

تصوف میں عملی تربیت کیلئے ضروری ہے کہ صحیح طور پر ترکِ دنیا کی مشق کی جائے اور روحانی پیشوا یا شیخ کی رہنمائی میں صوفیائے کرام کے احکامات کی تعمیل کی جائے۔ کوئی بھی شخص گیان دھیان (ارتکازِ توجہ، تصورِ شیخ) کے ذریعہ اسی وقت قربِ خداوندی حاصل کر سکتا ہے جب اس کا ذہن طویل مجاہدہ کے باعث صاف ستھرا اور پاکیزہ ہو چکا ہو۔ اس عظیم معاملہ کا انحصار شیخ کے کردار پر ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ پہلے شیوخ اعلیٰ قسم کے تقویٰ و پرہیزگاری اور علم و عرفان کے حامل ہوتے تھے لیکن اسلام کی صحیح روح اور حقیقی علم

Marfat.com

کے زوال کے باعث طریقت کا روایتی تقدس مخالف قوتوں کے خلاف اپنا دفاع نہ کر سکا۔
عصرِ حاضر میں شیخ اور پیر کہلانے والوں نے شیرینیوں، چڑھاووں اور نذر و نیاز کا طریقہ کار متعارف کرایا۔ جو اُن کے پیش رو بزرگان کے طریقہ کار کے خلاف اور (ان کی تعلیمات کے) بالکل برعکس ہے۔ ان کے اس آزادانہ نذریں قبول کرنے کے عمل نے انہیں آرام و آسائش اور تعیشات کی زندگی سے متعارف کرا دیا۔ اس چیز نے کٹر قسم کے علماء کے حسد کو ابھارا جو مشکوک فتوے جاری کر کے اور مساجد میں نمازیں پڑھا کر مشکوک روزی کماتے تھے۔ اُن کے باہمی نقصان کی وجہ سے جو لائن ان دونوں پارٹیوں کو تقسیم کرتی ہے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور زیادہ گہری ہو گئی۔ صوفیاء نے علم سے ہاتھ کھینچ لیا اور علماء نے روحانیت سے۔ اخلاقی و باطنی صفائی اور پاکیزگی اور اسلاف کی رواداری و بردباری چھوڑ دی۔ دنیاداری کی طرف میلان نے اس گروہ کا تمام کردار ہی بالکل تبدیل کر کے رکھ دیا۔ (زوال اور نقصان کے) ان اسباب کے سلسلہ کی ایک اور حقیقت یہ بھی ہے کہ جو اس کے بلند اخلاقی معیار پر اثر انداز ہوئی وہ ایرانی شعراء سے اخذ کردہ ہے یعنی بندوں کی محبت کا سا انداز بیان خدا کی محبت کیلئے استعمال کیا۔ یہ تمثیل ناموزوں ماحول کے اندر جب مناسب حدود سے تجاوز کر گئی تو طریقت کے سلسلہ کو اس سے سخت نقصان پہنچا۔ بڑے بڑے مشائخ بھی پیشہ ور پیروں کی صورت میں شرافت کھو بیٹھے ہیں۔ تیسرے درجہ کے لوگ جو جنت کے پاسپورٹ دینے کا دعویٰ کرتے ہیں اور مریدین کی خوش اعتقادی بلکہ ضعیف الاعتقادی کی بنیاد پر اپنا سارا کاروبار چلاتے ہیں۔ جن کے اخراجات پر وہ کھاتے پیتے پلتے اور بگڑتے جاتے ہیں۔ وہ بھی بہت سے نئے نئے طور طریقے متعارف کراتے رہتے ہیں۔ جیسے قبروں اور مزارات کی پوجا و پرستش۔ جو کہ تمام تر اسلامی تعلیمات کے بالکل قطعی طور پر خلاف ہے۔ یہاں پر یہ بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ بہت زیادہ دینی علم (جو کہ اب کم ہو چکا ہے) تصوف کی عملی زندگی میں بصیرت کے حصول کیلئے ضروری نہیں۔ بلکہ زیادہ ضروری چیز خدا کی سچی

Marfat.com

محبت اور روحانی ترقی کیلئے جوش وجذبہ (اور سچی طلب) ہے۔

روحانیت کی جو شکل یورپ اور امریکہ میں پیش کی جاتی ہے وہ مشرقی صوفیاء کی روحانیت سے بالکل مختلف ہے۔ ان ممالک میں یہ فقط میز کے گرد گھومتی ہے اور اس کا مقصد روح پر ضرب لگانا اور مرے ہوئے لوگوں کی ارواح سے کسی ذریعہ سے رابطہ قائم کرنا ہے۔ اس ملک میں لوگ روحانی مفکرین سے واقف وشناسا ہیں۔ لیکن تصوف میں ایسی مشقوں سے وابستگی غلط ہے۔ یورپی ارواحیت پرستوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ روحانی مفکرین کے حلقے محض ہنسی مذاق ہیں۔ جن کی بنیاد شعبدہ بازی اور فریب پر ہے۔ یہ فن لیفہ کے قدردان منطق اور استدلال کے ذریعہ روحانیت کے میدان میں تجربات کرتے ہیں۔ روح کی نقل مکانی کے بارے میں اور روح کے خالق کائنات کے ساتھ مابعد الطبعیاتی تعلق کے بارے میں، کیا فرق ہے آدمی کی عمدہ حالت اور کم درجہ کی حالت میں یا انسانی بھلائی کیلئے کیا تجویز کیا جاتا ہے، جن کا تعلق عام اخلاقیات کے میدان سے ہے لیکن جب کوئی اعلیٰ روحانی مقام کے حصول کیلئے اپنی ذات کو بھول جاتا اور اپنی خواہشاتِ نفسانی کو قربان کر دیتا ہے تب وہ کہہ سکتا ہے کہ ذاتِ خداوندی کا حقیقی علم حاصل ہو گیا ہے۔ یہی وہ بات ہے کہ جو تصوف، سکھانے کا دعویٰ کرتا ہے۔ بعد میں مغربی نظریات کی رَد اور خصوصاً یونانی فلسفہ کے باعث تصوف میں جو مشرکانہ رجحان آیا وہ قدیم تصوف میں موجود نہ تھا۔

سپنزا کے مطابق ''خدا کو جاننا اس حد تک کہ ہم اسے جان سکیں یہی طاقت ہے یہی ذاتی حکمرانی ہے اور یہی امن وسکون ہے۔'' حاجی صاحب خدا کی ایسی ہی پہچان رکھنے والے لوگوں میں سے ایک ہیں جیسی کہ پہچان ہونی چاہیئے۔ آپ کسی نئے گروہ یا فرقے کے بانی نہیں تھے بلکہ آپ ایک غیر معمولی صلاحیت اور نیکی کی علامت تھے۔ آپ کے سلسلہ کا مرکزی خیال ''مقدس خدائی اور آفاقی محبت'' ہے۔ ایک انگریز شاعر اس خیال میں ان الفاظ کے ساتھ روح پھونکتا ہے وہ کہتا ہے کہ ''محبت عدالت، گھر اور قبر

Marfat.com

سب جگہ حکومت کرتی ہے۔ محبت کیلئے جنت ہے اور جنت کیلئے محبت'' یہ محبت ہی تھی جس نے عظیم رومی کی روح کو آگ لگادی اور وہ بے ساختہ بول اٹھے۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

(اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہو جاتے ہیں۔ تجھ سے سب امراض کا علاج ہو جاتا ہے۔ تجھ سے نخوت و ناموس کا علاج ہوتا ہے۔ عشق کو اس عار وننگ کے رفع کرنے میں بہ نسبت دوسرے اخلاقِ ذمیمہ کے ایک خاص صفت حاصل ہے کیونکہ عشق کیلئے ذلت لازم ہے اور ذلت اور ناموس جمع نہیں ہوتے ایک کے غلبہ سے دوسرا جاتا رہتا ہے۔ لہذا اے عشق تو ہی میرے لئے معالج و حکیم افلاطون و جالینوس کی حیثیت رکھتا ہے)

یہ ایک دلچسپ چیز ہے کہ ہم آج کے مغربی ارواحیت پرستوں کی تحریروں میں قدیم صوفیانہ نظریات کی صدائے بازگشت کا جائزہ لیں۔ ایک مشہور و معروف امریکن مصنف رالف والڈو ٹرائن ''ذاتِ لامحدود کے ساتھ ہم آہنگی'' میں تصوف کے متعلق کہتے ہیں: ''جس لمحے ہم اپنے آپ کو بصد ذوق وشوق پہچان لیتے ہیں تو محبت سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ پھر ہمیں ہر شے میں فقط حسن ہی حسن نظر آتا ہے اور جب ہمیں یاد آتا ہے کہ ہم سب ایک لامحدود روح کے ساتھ یکساں وابستہ ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم سب تو باہم متصل ہیں۔ سب کی زندگی ایک ہی جیسی ہے۔ پھر تعصب جاتا رہتا ہے اور بغض وعناد اور نفرت ختم ہو جاتے ہیں۔ محبت پھلتی پھولتی ہے اور اسی کا اقتدارِ اعلیٰ قائم ہوتا ہے۔''

حاجی صاحب اپنے مریدین کو ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم سے محبت کرو اور ایک

Marfat.com

دوسرے سے محبت کرو اور اسی نکتہ پر بے پناہ زور دیتے ہیں۔

ایک صوفی علم وعرفاں کے رستے پر جس منزل کے حصول کیلئے کوشاں ہوتا ہے اس کیلئے کئی منازل طے کرتا ہے لیکن حاجی صاحب اس راہ میں دیگر صوفیائے کرام کی مانند منزل بہ منزل نہیں بڑھے بلکہ کہا جاتا ہے کہ آپ جوانی میں بھی روحانی علوم میں اتنے ہی ماہر تھے جتنے کہ اپنی زندگی کے اختتام پر تھے۔ لہذا اسی وجہ سے آپ کو مادرزاد ولی اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ بھی وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کو حضرت علی المرتضیٰ ؓ سے بلاواسطہ روحانی فیض حاصل تھا۔ جن کے بارے میں صوفیائے کرام کا عقیدہ ہے کہ انہوں نے روحانی تربیت پیغمبرِ اسلام حضور سرورِ کائنات ﷺ سے حاصل کی۔

ایک مبتدی کو روحانی تربیت کی پہلی منازل میں دو قسم کے انتہائی اہم اور عملی اسباق پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک توکل علی اللہ اور دوسرا تسلیم و رضا۔ لفظ توکل کے عمومی معنیٰ خدا پر بھروسہ ہے۔ لیکن یہ لفظ مسلمانوں کے اُس خاص طبقے نے غلط مفہوم میں استعمال کیا ہے جنہیں مذہبی رجحان والے لوگ کہا جاتا ہے۔ ہزاروں لوگ جو کوئی مفید کام کر سکتے ہیں ان کی گذر بسر زکوٰۃ اور خیرات پر ہوتی ہے اور وہ خانقاہوں اور مدرسوں میں رہتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ گویا وہ کافی حد تک فقط خدا پر ہی اپنے گذارے کے ذرائع کیلئے اعتماد کرتے ہیں۔ یہ چیز ان کی خودی اور خود اعتمادی کی روح کو ختم کر دیتی ہے اور معاشرے میں بے کار افراد کی تعداد میں اضافہ کرتی ہے۔ صوفیائے کرام اس لفظ کو بہت ہی مختلف انداز میں لیتے ہیں۔ جیسا کہ امام غزالیؒ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں: ''جب اسرار و رموز کا پردہ اُٹھتا ہے تو بندہ مشاہدہ حق کے ذریعہ اس حقیقت تک پہنچتا ہے کہ خدا کی ہستی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ یہ علت و معلول کا سلسلہ محض توہم ہے اور یہ کہ وہی خالقِ حقیقی ہے اور کاروبارِ حیات چلانے والی وہی ہستی ہے۔ اس پر کیف ریاست میں صوفی بیرونی اعمال کے اعتبار سے خود مختار بن جاتا ہے اور خدائے واحد پر اُس کی رضا کی خاطر مکمل

Marfat.com

اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے۔"

یہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حاجی صاحب نے جب گھر چھوڑا تو اپنی تمام جائیداد تقسیم فرمادی تھی۔ جس مکان میں آپ نے آخری سالوں میں قیام فرمایا وہ بھی آپ کی ملکیت نہیں تھا۔ آپ کے کچھ مریدین آپ کیلئے کھانے کا انتظام کرتے اور آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ لیکن آپ نے کبھی اس کیلئے بھی کسی سے کہا نہیں۔ آپ نذر نیاز قبول نہ فرماتے اور روپے پیسے کو کبھی ہاتھ نہ لگاتے۔ بعض اوقات لوگ آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے۔ جنہیں آپ مسترد تو نہ فرماتے لیکن (اپنے پاس بھی نہ رکھتے اور) دوسرے لوگوں میں تقسیم فرمادیتے۔ آپ فرماتے کہ ایک فقیر کا حقیقی معیار یہ ہے کہ وہ کسی سے کچھ نہ مانگے۔ حتیٰ کہ خدا سے بھی نہ مانگے۔ خدا کی محبت دوسری تمام محبتوں اور خواہشوں کو مٹادیتی ہے۔

خدا کی رضا کی خاطر ہر شے کے ترک کیلئے آپ نے ایسے بے غرض اور بے پرواہ قسم کے زہد و تقویٰ کا نمونہ پیش کیا کہ زندگی کی ناخوشگواریوں سے ہمیشہ بے اعتنا رہے۔ کبھی کسی کیلئے حرف شکایت آپ کی زبان پر نہ آیا۔ حتیٰ کہ موسم کی بھی نہیں۔ جب آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو آپ کے معالج کیلئے اس سوال کا جواب حاصل کرنا انتہائی مشکل تھا کہ آپ کو کیا تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے کبھی کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہ نکلا کہ جس سے یہ پتہ چل سکتا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ دریافت کرنے پر ہمیشہ فرماتے کہ ہمیں کوئی تکلیف نہیں (ہم اچھے ہیں)۔ یہ بھی پسند نہ تھا کہ دوسرے آپ کے سامنے اپنی تکالیف بیان کریں۔ بلکہ انہیں راضی برضائے خدا رہنے کی تاکید فرماتے۔ آسمانی فیصلوں میں مداخلت کے دعویٰ (جیسا کہ بعض فقراء کر بیٹھتے ہیں) سے دور آپ مکمل طور پر رضائے الٰہی کے تابع تھے۔ آپ نے اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوانینِ فطرت وضع کیے ہیں بندہ کی ذمہ داری ان سے معاونت کرنا ہے۔ یہ ابدی و دائمی قانون کے مطابق ضبطِ نفس اور رضا و توکل کی اعلیٰ

Marfat.com

ترین صورت ہے۔

روحانی ارتقاء کی آخری منزل فناہ یعنی ہستی باری تعالیٰ میں جذب ہو جانے کی کیفیت ہے۔ لیکن ہنوز ایک بڑی کیفیت آگے ہے جسے بقا کا نام دیا جاتا ہے۔ جس میں دائمی آگاہی میں مکمل فناہ کا تسلسل ہے یہ روحانی استعداد کا تاج ہے اور فناہ کی انتہا ہے۔ بعض فلاسفروں کا قول ہے کہ قدرتِ کاملہ کی حمد وثنا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اپنی ہستی کو اس طرح فناہ کرے کہ ذاتِ حقیقی میں مدغم ہو جائے۔ صوفیائے کرام کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کا تفکر وتصور فناہ فی اللہ کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

باب سوم

حاجی صاحب فناہ فی اللہ کی اس منزل پر تھے کہ آپ عملی طور پر اپنے آپ کو بھی بھول گئے تھے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ آپ کبھی اپنا نام تک اپنی زبان پر نہ لائے۔ اور نہ ہی کبھی آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنا نام لکھا۔ یہ اس حقیقت کی بین دلیل ہے کہ آپ نے اپنی ہستی کو اس قدر مٹا دیا کہ اپنے علیحدہ وجود کا احساس ہی باقی نہ رہا۔ امام غزالیؒ کے الفاظ میں ''اس (یعنی فناہ کی) حالت میں آدمی اپنے آپ کو اس حد تک مٹا دیتا ہے کہ اُسے اپنے جسم اور اردگرد کی چیزوں کا احساس تک نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ یہ خیال بھی اُس کے دل میں نہیں آتا کہ اس نے خود کو مٹا دیا ہے۔ سب سے عظیم حالت و کیفیت ترکِ ترک (فناہ و محویت کا خیال بھی مٹ جانا) ہے''۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہی وہ منزل ہے کہ جس پر حاجی صاحب فائز تھے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ''جو فناہ فی اللہ ہو جاتا ہے اُسی کو عرفانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔''

حاجی صاحب اپنے باطنی رجحان اور وارداتِ قلبی کی وجہ سے طویل گفتگو نہ فرماتے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ کی سوانح حیات میں کسی باقاعدہ طریق تعلیم کی تلاش عبث ہے۔ آپ اُن عظیم اولیائے کرام میں سے ایک تھے کہ جو ہر لمحہ خدا کی شان و شوکت اور عظمت و جلالت کے تصور میں محو رہتے ہیں۔ اور ان کے دل میں کسی اور چیز کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بہر حال آپ کے سوانح نگاروں نے آپ کی کچھ تعلیمات و ارشادات کو اکٹھا کیا ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

☆ خدا کی محبت کسبی نہیں وہبی ہے۔ (عشق میں کسب نہیں خدا کی دین ہوتی ہے۔)

☆ محبت میں انتظام نہیں۔

Marfat.com

☆ محبت میں فاصلوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اگر تمہیں ہم سے محبت ہے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر چہ تم ہزار میل کے فاصلہ پر بھی ہو۔ (محبت ہے تو ہزار کوس پر بھی پاس ہے۔)

☆ محبت کا رشتہ ایمان اور یقین سے ہے۔ (محبت عین ایمان ہے۔)

☆ خدا کی محبت کفر کو ایمان اور بے یقینی کو یقین میں بدل دیتی ہے۔

☆ تمام کائنات کا انتظام عاشقانِ الٰہی کے خیال کے مطابق ہے۔
(عاشق کے خیال پر دین و دنیا کا انتظام ہے۔)

☆ خدا سے بھی کچھ نہ مانگو حتیٰ کہ بھوکے مر جاؤ۔ وہ سب جانتا ہے۔ (فقیر کو چاہیئے کہ اللہ سے بھی نہ مانگے۔ کیا وہ نہیں جانتا جو شہ رگ سے بھی قریب ہے---فقیری یہ ہے کہ ہاتھ کسی کے آگے نہ پھیلائے اللہ سے بھی بے پرواہ رہے۔ وہ خود ہی فرماتے ہیں۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید ۔ وہ سب راحت و تکلیف دیکھتے ہیں)۔

☆ اصل دنیا طلبی خدا کو بھلا دینا ہے۔ (جو دنیا کے انتظام میں پھنسا اس کے دل میں محبتِ الٰہی کی جگہ نہیں رہتی۔)

☆ ایک سچے فقیر کی کوئی مرضی، پسند، حاجت یا خواہش نہیں ہوتی۔
(بڑی فقیری یہ ہے کہ ہاتھ کسی کے آگے نہ پھیلائے---فقیر کو سوال حرام ہے--فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔)

☆ اسلام اور ایمان دونوں ایک نہیں ہیں۔ (اسلام اور چیز ہے ایمان اور چیز ہے۔--طریقت محتاج ملتِ ظاہری نہیں ہے۔)

☆ ہمیشہ ایک حال میں رہو۔ (ہمیشہ ایک ہی راہ پہ چلتے رہو۔)

☆ جو تم ایک دفعہ کرو۔ اسے جاری رکھو۔ (بڑی وضعداری یہ ہے کہ جو کرے وہ کیئے جائے---وضعداری بڑی چیز ہے۔)

☆ خدا پر بھروسہ رکھو۔ اگر تمہیں اس پر سچا یقین ہے تو پھر اپنی روزمرہ ضروریات کے

Marfat.com

متعلق بھی پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

☆ ایمان شک وشبہ سے پاک ہونا چاہیئے۔

☆ کوئی سانس یادِ الٰہی سے خالی نہ جائے۔

☆ جو خدا کو یہاں نہیں دیکھ سکتے ان کو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے۔

☆ مسجد، گرجا، مندر سب جگہ وہی ایک خدا ہے۔

☆ خدا عرش پر نہیں۔ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ جو اس دنیا میں خدا کو نہیں دیکھ سکتا وہ اندھا ہے۔

☆ اگر تمہارا عشق سچا ہے تو خدا کو ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو۔ بغیر دیکھے کیسے محبت کرو گے۔

آخری دو اشارات کا اگر ہم سینٹ جان کے پہلے مکتوب کے ساتھ موازنہ کریں تو بے جانہ ہوگا۔ ''مبارک ہیں خدا کے بیٹے (معاذ اللہ کسی کو خدا کا بیٹا کہنا شرکِ عظیم ہے یہ عیسائیوں کا باطل عقیدہ ہے۔ یہاں ''مبارک ہیں خدا کے مقرب ومحبوب بندے'' کہا جانا چاہیئے۔) ہم جانتے ہیں کہ وہ جب ظاہر ہوگا تو ہم اس کو ویسا ہی دیکھیں گے جیسا کہ وہ ہے۔''

یہ قول صوفیائے کرام کی اکثریت کے اس مشترکہ ماورائی اصول کی نشاندہی کرتا ہے کہ خدائے واحد ہی موجودِ حقیقی ہے ماسوائے اس کے ہر شے لاموجود ہے۔ یہ صوفیائے کرام اور علمائے عظام کے درمیان ایک بہت بڑا نزاعی مسئلہ ہے۔ خود صوفیائے کرام کے درمیان بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ان میں سے ایک گروہ نظریۂ ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے) کے خلاف ہے اور وہ اس کے برعکس نظریۂ ہمہ از اوست (سب کچھ اسی سے ہے) پر یقین رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کائنات کی تمام اشیاء اُس کی مختلف صفات کی مظہر ہیں۔ حالانکہ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ جملہ تخلیق ایک ہی رشتہ احدیت میں مربوط ہے۔ بہر حال صوفیائے کرام کے اس نظریہ میں کوئی چیز بھی غیر شرعی نظر نہیں آتی۔ بلکہ اس کی تائید قرآنِ پاک کی اس آیتِ مبارکہ سے ہوتی ہے۔ خدائے بزرگ وبرتر نے فرشتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ

Marfat.com

سٰجِدِیْنَ ٥ (ترجمہ): "جب اس کو (صورتِ انسانیہ میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔" (پ ۱۴۔ سورۃ الحجر = آیت نمبر ۲۹)
کتابِ مقدس قرآنِ پاک میں اُن کیلئے جو اس پر ایمان وایقان رکھتے ہیں اس مضمون کی کئی ایک آیات ہیں۔ اس حقیقت کے متعلق مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کہ اس خاک کے پتلے میں روح خدائے بزرگ و برتر کی ہے۔ یہ بات تعجب سے خالی نہ ہوگی کہ ایک فلاسفر ایپکٹیٹس خدا کی کتاب کے نازل ہونے سے سینکڑوں سال پہلے پکار اٹھا "تو خدا کا ایک جزو ہے تیرے اندر ایک ایسی چیز موجود ہے جو اس کا جزو ہے۔ اے بدنصیب انسان تو خدا کو ساتھ لئے پھرتا ہے لیکن اسے پہچانتا نہیں۔"

کسی شخص کے احساس اور روحانی جوہر کی نشو و نما اور ارتقاء ہی صوفیاء کا اصل مقصد و مدعا ہے۔ تصوف ایک ہمہ گیر آفاقی مسلک ہے۔ لیکن حاجی صاحب نے اس کو اس قدر وسعت دی کہ جو اس سے قبل اس کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ آپ نے ہر رنگ و نسل اور مذہب و ملت کے مرد اور عورتوں کو انتہائی فراخدلی سے داخلِ سلسلہ فرمایا۔ آپ نے واضح الفاظ میں اعلان فرمایا کہ مسلمان، ہندو، مجوسی اور عیسائی اُن کی نظر میں سب ایک جیسے ہیں۔ آپ کی بارگاہ میں ہر کوئی فطرت کے اس اصول کو بخوبی محسوس کرنے لگتا تھا کہ گویا ساری کائنات باہم مربوط ہے۔ (اور ایک کنبہ ہے۔)

ہمارے ہاں صوفیاء کے تین مشہور سلاسل قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ ہیں۔ حاجی صاحب کا تعلق پہلے دو سلاسل سے ہے۔ دوسرے صوفی درویشوں کی طرح آپ لوگوں کو تخلیہ میں بیعت نہ فرماتے۔ آپ نے مختلف مذاہب کے لوگوں کیلئے مختلف طریقہ بیعت اختیار فرمائے۔ جب آپ یہودیوں اور عیسائیوں کو بیعت فرماتے تو آپ حسب ذیل الفاظ استعمال فرماتے:۔ "حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدﷺ تینوں خدا کے پیغمبر ہیں۔ اگر تم ان میں سے کسی ایک پر ایمان نہیں رکھتے تو اسے برا نہ کہو۔ اور اس کی ممنوعہ باتوں سے بچو۔" (دیکھو موسیٰؑ کلیم اللہ، عیسیٰؑ روح اللہ اور محمدﷺ رسول اللہ کسی کو برا نہ کہو اور حرام نہ کھانا۔)

Marfat.com

قرآن پاک کے مطابق اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں میں کوئی فرق نہیں رکھا۔لہذا آپ کی تمام تر تعلیمات کلامِ الٰہی کے عین مطابق تھیں۔ یہ بے جا نہ ہوگا کہ اگر ہم یہاں الکتاب (قرآنِ پاک) سے ایک اور آیت کا حوالہ دیں۔ جو ناطق ہے کہ ''دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے۔'' (پ ۷۔ سورۃ المائدہ = آیت نمبر ۸۲) ہر عیسائی لازمی طور پر یہ الفاظ ادا کرتا۔ عیسائیت اور اسلام میں ماضی میں تصادم کے پیش نظر یہ بڑا اہم دور ہے کہ جب یورپ زمانے کے حقائق کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تو اسے چاہیئے کہ اسلام کے متعلق اپنے نظریات پر نظر ثانی کرے اور اسلام کا بنظر غائر مطالعہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ قدیم تعصبات اور کم علم یورپی مصنفین اور خصوصاً پادریوں کے پھیلائے ہوئے غلط تصورات کو ایک طرف پھینک دے۔ یورپی سیاستدانوں (اور مدبروں) کیلئے یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے کہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان ایک بڑا اتحاد ایک بہت بڑا اسیاسی اثاثہ بن سکتا ہے۔

ہندوؤں سے آپ فرماتے ''برہما پر ایمان لاؤ۔ بت پرستی نہ کرو۔ دیانت دار بنو۔'' (برہم پہچانو۔ پتھر نہ پوجو اور جھٹکا نہ کھاؤ۔) آپ کے ہاں من و تو کا فرق نہ تھا۔ (آپ کے نزدیک مختلف مذاہب کے پیروکاروں میں کوئی فرق نہ تھا۔) ہزاروں ہندو جن میں مختلف پنتھ کے سادھو اور فقیر بھی شامل تھے۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور آپ کے سلسلہ میں بیعت ہوئے۔ آپ ہمیشہ انہیں ان الفاظ کے ساتھ خوش آمدید کہتے کہ ''ہم اور تم ایک ہیں''۔ آپ ہر فرد میں خدا کو موجود سمجھتے۔ کیونکہ آپ نے پہلے اُسے اپنے عرفانِ نفس سے پالیا تھا۔ (بمصداق من عرف نفسہ فقد عرف ربہ) آپ غیر مسلموں کو اپنا مذہب ترک کرنے کا نہ کہتے اس کے برعکس آپ انہیں انتہائی جوش و جذبہ اور خلوص نیت کے ساتھ اس پر چلنے کی نصیحت فرماتے۔ جن کا تعلق کسی پیشہ یا تجارت سے ہوتا انہیں نصیحت فرماتے ہوئے ان کے کام کے اعتبار سے

Marfat.com

مزید الفاظ کا اضافہ فرماتے۔ اگر کوئی شخص بیعت ہونے کے بعد تارک الدنیا ہو کر مکمل طور پر روحانی زندگی گزارنے کا اظہارِ شوق کرتا تو آپ اسے تہبند عطا فرماتے۔ (اپنے احرام جیسا لباس جو آپ کے سلسلہ کا ایک مسلمہ امتیازی نشان بن گیا) اور کچھ زبانی ہدایات دیتے اور اسے کسی دور دراز مقام پر بھجوا دیتے جہاں وہ رہے اور ہدایات کے مطابق عبادت و ریاضت کرے۔ زہد و تقویٰ کی پابندیاں جو مبتدیوں کو سہنی پڑتی تھیں ہمیشہ سخت تصور کی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص (حافظ گلاب شاہ وارثی اکبر آبادی) کو فرمایا کہ اپنی آنکھیں ہمیشہ کھلی رکھنا۔ (آنکھ بند نہ کرو بیدار رہو) جس کا مطلب یہ تھا کہ آدمی نفس کشی کیلئے ذاتی راحت و آرام کی خاطر سکون کی نیند تک ترک کر دے ایک اور شخص (مرآت شاہ بھاگل پوری) کو ہدایت فرمائی کہ ہر قسم کی غذا چھوڑ دے اور جنگلی اشیاء پر گزر اوقات کرے۔ ایک مدتِ معینہ کے بعد وہ خوراک کی طلب ہونے پر اُن پھلوں کو فقط سونگھ سکتے تھے۔ اور آخری مرحلہ پر وہ ان چیزوں کو فقط دیکھ سکتے تھے۔ (اُن سے ارشاد فرمایا کہ پہلے وہ چیز کھا کر پیٹ بھریں جو اپنی جنس کا تخم ہو مثلاً آلو، اروی، شکرقندی وغیرہ کیونکہ یہ خود تخم ہیں ان کو کھایا جائے تو گویا ان کا تخم قطع ہوا۔ ہاں آم، خربوزہ اور کدو وغیرہ کا مغز کھائیں اور تخم کی حفاظت کریں جب اس کی عادت ہو جائے تو مغز کا کھانا ترک کر دیں اور دفع اشتہا کیلئے پھلوں کو سونگھ لیا کریں۔ جب اس پر قدرت ہو جائے تو سونگھنا بھی ترک کر دیں اور تسکینِ نفس کیلئے صرف دیکھ لیا کریں جب اتنی قوت ہو جائے تو دیکھنا اصل بھوگ میں جوگ ہے۔) آپ کی تعلیم ہر ایک کیلئے یکساں نہ تھی۔ بلکہ ہر فرد کیلئے اس کی استطاعت کے مطابق مختلف تعلیم ہوتی۔ جنہیں با قاعدہ اور با ضابطہ طور پر سلسلہ کا لباس (احرام) عطا فرماتے ان کا نام تبدیل فرما دیتے۔ اس سلسلے میں (احرام پوشی کی) تقریب جس کا انعقاد حاجی صاحب کے مریدین کیا کرتے تھے اس کا حوالہ یہاں بے جا نہ ہوگا۔ جب ان میں سے کوئی نیا احرام لاتا تو آپ سے احرام تبدیل کرنے کی درخواست کرتا۔ جو احرام آپ اتارتے وہ مریدین لے لیتے۔ اس کی

Marfat.com

قدر و منزلت کا یہ عالم ہوتا کہ یہ ناممکن تھا کہ پورا احرام کسی کو مل جائے۔ یہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ جو بطور تبرک تقسیم ہو جاتا۔ بے پناہ عقیدت اور شیفتگی کی وجہ سے بعض اوقات اس تبرک کو حاصل کرنے کی خواہش و کوشش اس قدر زیادہ ہو جاتی کہ آپ کو ایک ہی دن میں کئی کئی مرتبہ احرام تبدیل کرنا پڑتے۔ بعض اوقات آپ کی خدمت میں احرام سازو آواز (گویوں یا قوالوں) کے ہمراہ پیش کیا جاتا۔

آپ کے پیروکاروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک خرقہ پوش (جنہوں نے زہد و فقر کی زندگی اختیار کی) اور دوسرے دنیادار افراد (جنہوں نے آپ کا مسلک و عقیدہ تو اختیار کیا لیکن اس اعتبار سے ان کی طرزِ زندگی میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ آئی۔) خرقہ پوشوں (احرام پوشوں) کی بھی مزید کئی اقسام ہیں۔ ایک وہ کہ جنہوں نے آپ (حاجی صاحب) سے معرفت کی تعلیم و تربیت مکمل کر لینے پر احرام پایا۔ اور دوسرے وہ کہ جنہوں نے آپ کی اجازت و منظوری کے بغیر احرام پہنا اور جو روحانی تربیت سے مکمل طور پر بے بہرہ اور نابلد تھے۔

دنیادار افراد کی تعداد خرقہ پوشوں کی نسبت زیادہ ہے۔ آپ کے سوانح نگار اس کے معترف ہیں کہ آپ کے مریدوں کی تعداد اب بتانا امرِ محال ہے جو کہ تمام براعظم ایشیا اور یورپ کے کچھ حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک چار لاکھ کی تعداد بیان کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم دوسری تعدادوں کو درست خیال کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے احتیاط کا دامن چھوڑ دیا۔ حاجی صاحب نے کسی کو داخل سلسلہ ہونے کیلئے کہا نہ ترغیب دی۔ آپ جہاں بھی جاتے عزت و تکریم پاتے۔ آپ کی مسحور کن شخصیت سب کو متاثر کرتی۔ عوام، امیر، غریب، تعلیم یافتہ اور ان پڑھ آپ سب میں یکساں مقبول اور ہردلعزیز تھے۔ اس بات سے یہ اصول سمجھ میں آتا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ ساری دنیا تم سے محبت کرے۔ تو تمہیں چاہیئے کہ پہلے تم تمام اہل عالم سے محبت کرو۔ ریلوے سٹیشن ہو یا قصبوں کی گلیاں آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے بے پناہ ہجوم امڈ آتا۔ کہا جاتا ہے کہ

Marfat.com

اپنے پہلے سفر در بھنگہ کے موقع پر جس مکان میں آپ قیام فرماتے وہاں (مشتاقان دید کا) اس قدر رش ہوا کہ اس عمارت کا ایک بہت بڑا دروازہ دفعتاً گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور آپ کو عمارت کے ایک دوسرے حصہ میں منتقل ہونا پڑا۔ زائرین (مشکوٰۃ حقانیت کے مطابق جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی) سارا دن داخلِ سلسلہ ہوتے رہے لیکن ہجوم کسی طرح کم ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ جب آپ وہاں سے رخصت ہوئے تو تقریباً دس ہزار آدمی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ رستے میں رکے اور فرمایا کہ ہماری پالکی کسی بلند ٹیلہ پر رکھ دو (جس کو مرید ہونا ہو وہ ہماری پالکی کو چھولے نیز فرمایا کہ جو پالکی کو چھولے گا وہ داخلِ سلسلہ ہو جائے گا۔) چنانچہ لوگ پالکی کو ادب و تعظیم سے چھوتے ہوئے گزرتے جاتے اور آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوتے جاتے۔ ایک اور موقع پر ایک ریلوے سٹیشن پر اس قدر ہجوم تھا کہ کسی کا آپ تک پہنچنا محال تھا۔ لیکن ہر شخص متمنی تھا کہ آپ کے قریب پہنچے اور حلقہ بیعت میں داخل ہو۔ آپ نے اردگرد نگاہ دوڑائی اور فرمایا ''جاؤ تم سب ہمارے مرید ہو۔'' (جاؤ ہم نے سب کو اپنی بیعت میں قبول کرلیا۔) جب ہجوم بہت زیادہ ہو جاتا اور مروجہ طریقہء بیعت سے ہر شخص کو مرید کرنا محال ہو جاتا تو ایک رسی یا چادر (پالکی یا مکان سے) باہر نکال کر پھیلا دی جاتی اور آپ فرماتے کہ ''جو شخص اس کو چھولے گا وہ ہمارا مرید ہے۔''

آپ کے یورپین مریدین کہ جنہوں نے آپ سے کچھ تربیت پائی۔ ان میں سے تین ولائتی شاہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک مسٹر جانسٹن جو یوپی میں ایس۔ پی تھے نیز متعدد اینگلو انڈین آپ کے حلقہ بیعت میں داخل تھے۔ آپ کے پارسی مریدین میں سے ایک جونو مذہب تھا جسے مصنف اچھی طرح ذاتی طور پر جانتا تھا۔ وہ اسلامی علوم کا خاصا ماہر تھا۔ ایک عجیب و غریب داستان ایک شریف النفس عالی مرتبہ ہسپانوی کی ہے جس کا نام کاؤنٹ گلارزا تھا۔ جو فقط حاجی صاحب کی زیارت و ملاقات کیلئے سپین سے آیا تھا اور لندن میں حلقہ ارادت میں شامل ہوا تھا۔ حاجی صاحب

Marfat.com

کے ایک مرید (مسٹر حبیب احمد سابق مہتمم روزنامہ دہلی مقیم لندن) جو روحانیت میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے اپنے روحانی کمالات کا مظاہرہ کیا۔ یہ دونوں اکثر اکٹھے رہتے تھے۔ حضرتِ اقدس کی عظمت و بزرگی کے احوال سن کر کاؤنٹ کے دل میں شوقِ زیارت پیدا ہوا۔ اُس نے ایک مسلمان طالب علم (جو حاجی صاحب کے مرید تھے اور بیرسٹری کی تعلیم مکمل کر کے انڈیا واپس آ رہے تھے ان کے ذریعہ آپ سے ملاقات کا اہتمام کیا۔ یوں کاؤنٹ دیوہ شریف حاضر ہوا۔ ملاقات کے دوران حاجی صاحب نے اس سے فرمایا ''تم آئے اور ہم سے ملے، تمہارا آنا مبارک ہو، ہم اور تم وہاں ایک جگہ ہوں گے۔'' (بمصداق حدیثِ مبارکہ: المرء مع من احب)

معلوم ہوتا تھا کہ کاؤنٹ کی اس ملاقات سے تسلی وتشفی ہوگئی۔ کیونکہ واپسی پر پیرس سے اُس نے حاجی صاحبؒ کے ایک مرید (فقیر اوگھٹ شاہؒ وارثی) کو دیوہ شریف میں تحریر کیا کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے مرشدِ کریم روحانیت کی راہ پر ازل سے ابد تک اس کے ساتھ ہیں۔

حاجی صاحب کے مریدین میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں کہ جو ہندوستان کے ساتھ ساتھ انگلستان کی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اُن میں سے کچھ نے تو انتہائی اعلیٰ، ممتاز اور نمایاں مقام پایا۔

ابتدائے آفرینش سے کوئی پیغمبر یا درویش ایسا نہیں گذرا کہ جس کے مخالفین نہ ہوں اور جسکے طرزِ عمل پر مخالفانہ تنقید نہ کی گئی ہو۔ اس کے باوجود کہ آپ درویشی اور وسیع المشربی کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن پھر بھی ظاہر پرست مسلمانوں کا ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ آپ شرع کے پابند نہیں ہیں۔ آپ پر لگائے جانے والے الزامات میں سب سے بڑا یہ تھا کہ آپ باقاعدگی اور پابندی سے نماز ادا نہ کرتے تھے (دن میں پانچ دفعہ) اور آپ ہر قسم کے لوگوں کو (یعنی ہر مذہب وملت اور رنگ ونسل اور امیر وغریب کو) بیعت کر لیتے تھے۔ ایسے لوگوں کو بھی جن میں صحیح تعلیم کا فقدان تھا لہذا وہ مذہبی فرائض کی ادائیگی

Marfat.com

میں بڑی غفلت و سستی برتتے۔ پہلا الزام کچھ مولوی صاحبان کی بدخواہی و کینہ وری اور کسی حد تک غلط فہمی و ناسمجھی پر مبنی تھا۔ یہ درست ہے کہ حاجی صاحب عام مسلمانوں کی طرح (باجماعت مسجد میں) نمازیں نہیں پڑھتے تھے لیکن بعض اوقات اُن کے ساتھ بھی ادا فرماتے لیکن اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں کہ آپ نے کبھی مروجہ و مسلمہ مذہبی عقائد سے انحراف کیا ہو۔ آپ کتاب الٰہی کے سختی سے پابند تھے۔ اگر آپ بظاہر قانونِ شریعت کے الفاظ پر دھیان نہ دیتے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر ہمیشہ مافوق البشری کیفیت طاری رہتی۔ صوفیانہ تعلیمات کے مطابق ایک صوفی درویش جب سکر (سرشاری و بے سودی) کی کیفیت میں ہو تو اس وقت وہ مذہبی رسومات و عبادات سے مستثنیٰ قرار پاتا ہے۔ (یعنی حالتِ سُکر میں فرائض مذہبی کی پابندی ساقط ہو جاتی ہے۔) یہ نشہ، سرشاری، مدہوشی اور بے خودی کی اصطلاح اُس شخص کیلئے استعمال کی جاتی ہے جو عشق الٰہی کے نشہ سے سرشار ہو۔ نیز یہ اس کے لئے استعمال کی جاتی ہے جس کی کیف و مستی حبِ الٰہی پر دلالت کرتی ہو۔ یہ ایک ایسی کیفیت کا نام ہے کہ جس میں تمام انسانی خصوصیات فناہ ہو جاتی ہیں اور بندے کو خدا کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ جب ایک صاحبِ علم و فضل شخصیت کی روحانی و باطنی آنکھ کھلتی ہے تو اس کی ظاہری جسمانی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ حاجی صاحب خود فرماتے ہیں کہ میں باری تعالیٰ کو کن الفاظ میں مخاطب کروں۔ کیا وہ موجود نہیں کہ یوں تصنع اور دکھاوے کی نمازیں ادا کی جائیں۔ آپ محض ظاہرداری نمود و نمائش اور رسوم و رواج کو ناپسند فرماتے اور عظیم رومی سے اتفاق کرتے ہوئے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ''بیوقوف مساجد میں تو حمد و ثنا کرتے ہیں لیکن دل کے سچے معبد کو نظر انداز کر دیتے ہیں''۔ اسی طرح کے ایک روایتی سوال پر آپ نے ایک دفعہ ایک عالمِ دین کو جواب دیتے ہوئے فرمایا ''اگر کوئی خدا کو دیکھ کر سجدہ کرے تو وہ کافر کہلاتا ہے لیکن جو بے دیکھے سجدہ کرے وہ سچا مومن کہلائے'' (علمائے ظاہر کی بھی کیا الٹی چال ہے کہ جو دیکھ کر سجدہ کرے اس کو تو کافر کہتے ہیں اور جو بے دیکھے سجدہ کرے وہ

Marfat.com

مومن کہلائے اسی کو اندھا پن کہتے ہیں بلکہ حق یہ ہی ہے کہ جو دیکھ کر سجدہ کرے وہی مومن ہے۔)

دوسرے الزام کے ضمن میں یہ بات درست ہے کہ آپ تمام فرقوں اور مذاہب کے لوگوں کو بیعت فرما لیتے تھے۔ یہ قدیم مروجہ طریقہ کار کے خلاف معمول ہوتا ہے مگر یہ ایک جدت تھی اور آپ کی عظیم روحانی قوت کا مظہر تھی۔ اس کے علاوہ یہ ایک عظیم مقام کی نشانی تھی۔ دوسرے صوفی درویشوں کی نسبت آپ میں وسعتِ نظر بہت زیادہ تھی۔ آپ پہلی ہستی تھے کہ جنہوں نے تصوف کی راہ کو مختلف فرقوں مذاہب اور مسالک کے لوگوں کیلئے کھول دیا تاکہ وہ اس پر گامزن ہوسکیں۔ اس معاملہ میں آپ اولیائے کرام کی صف میں منفرد مقام کے حامل ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی طرح جوادنیٰ طبقہ کے لوگوں اور گنہگاروں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ حاجی صاحب بھلے برے سب کو اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دیتے۔

وہ لوگ جو اندر سے ایمان والے ہیں وہ ہر ایک میں سے اچھائی نکال لیتے ہیں جو ان کے قریب آتا ہے۔ آپ مثالوں کے ذریعے تربیت فرماتے نہ کہ پندونصائح سے، عملی زندگی کے ذریعہ نہ کہ غیر مدلل تعلیمات کے ذریعہ کہ انہیں کیسے زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ زندگی میں آرٹ کی طرح فقط عملی تربیت ہی فائدہ مند ہوسکتی ہے۔ ہمارے پیغمبر پاکؐ نے جس چیز کی تعلیم دی اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ اور یہی حال آپ کے پیش رو پیغمبروں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا تھا۔ آپ اپنے مریدین کو تاکید فرماتے کہ خدا کی عبادت فقط عبادت سمجھ کر کرنی چاہیئے نہ کہ کسی انعام واجر کی خاطر۔ اس سے زیادہ ارفع اور اعلیٰ روحانی تعلیم کا تصور انتہائی مشکل ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے مریدین کیلئے جو نصب العین مقرر کیا وہ اس قدر ارفع و اعلیٰ تھا کہ عام انسان کا وہاں تک پہنچنا مشکل تھا لیکن اس تعلیم سے کس قدر عام اخلاقی نشوونما ہوئی اس کا اندازہ محال ہے۔

حاجی صاحب نے اپنے متعلق کبھی غیر معمولی قوتوں (کرامات) کا دعویٰ

Marfat.com

نہیں کیا۔لیکن ایسے بے شمار واقعات ریکارڈ میں موجود ہیں کہ آپ کی محض ایک نگاہ سے یا مس کرنے سے مریض شفا پا گئے۔ جو باتیں آپ سے روزمرہ زندگی میں سرزد ہو جاتی تھیں وہ بھی انسانی قوت سے بالاتر محسوس ہوتی تھیں۔ایک مرتبہ بہرائچ جاتے ہوئے رستے میں آپ نے چاہا کہ دریائے گھاگرا پار کریں۔لیکن گھاٹ پر کوئی کشتی موجود نہ تھی۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ ہمراہیوں کے ساتھ تیر کر دریا کے پار چلے جائیں۔ہمراہی انتہائی سخت خوف کے عالم میں تھے اور ساتھ چلنے سے ہچکچاتے تھے۔لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ پانی صرف گھٹنوں تک گہرا تھا۔ چنانچہ وہ نہایت اطمینان سے پانی سے گذرے۔آپ کی خدمت میں رہنے والوں کا روزمرہ کا ایک مشاہدہ تھا کہ جس پر شاید اب کوئی یقین نہ کرے کہ آپ کے پاؤں پر کبھی گرد کا نشان تک نہ ہوتا حالانکہ آپ ہمیشہ ننگے پاؤں چلتے تھے۔جب آپ قالین پر چلتے تو آپ کے پاؤں کا کبھی کوئی نشان یا دھبہ تک اُس پر نہ پڑتا۔اکثر لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ان میں سے کچھ نے حاجی صاحب کو آزمائش کیلئے اپنے گھر مدعو کیا۔انہوں نے سفید چاندنی کا فرش بچھایا اور مکان کے سامنے میدان میں خوب پانی چھڑکا دیا۔ان کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ آپ کی واپسی کے بعد انہوں نے بڑی احتیاط سے مشاہدہ کیا لیکن وہ چاندنی پر کسی بھی قسم کے کیچڑ وغیرہ کے نشانات تک نہ پا سکے،جن کا یقین تھا۔اس حقیقت کے بے شمار چشم دید گواہ ابھی تک زندہ ہیں۔جن کی صداقت اور راست بازی پر کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا۔

جب انسان فنافی اللہ ہو جاتا ہے تو غیر ارادی طور پر اس سے قوتِ الٰہی کا اظہار ہونے لگتا ہے۔اس مقام پر پہنچ کر بندے کی مرضی خدا کی مرضی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اس سے اتحاد کی وجہ سے یہ انتہائی طاقتور اور قوی ہو جاتی ہے۔پھر اس سے غیر معمولی افعال سرزد ہونے لگتے ہیں جنہیں معجزہ یا کرامت کہتے ہیں۔یہ ارواح تین طریقوں سے عام انسانوں کی روحوں سے مختلف ہوتی ہیں۔

Marfat.com

۱۔ جو کچھ دوسرے خواب میں دیکھتے ہیں وہ یہ عالمِ بیداری میں دیکھتے ہیں۔
۲۔ دوسرے لوگوں کے ارادوں کے اثرات فقط اُن کے اپنے اجسام پر ہوتے ہیں لیکن ایک ولی اللہ اپنی قوتِ ارادی سے اپنے علاوہ دوسروں کے اجسام پر بھی اثر انداز ہو سکتا ہے۔
۳۔ جو علم دوسرے پڑھ کر حاصل کرتے ہیں وہ ان کو خود بخود (وجدان سے) حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک حدیثِ قدسی کی رو سے فرمانِ الٰہی ہے کہ "میرا بندہ جو میرے قرب کا متلاشی ہو اور چاہے کہ میں اسے اپنا دوست بنالوں تو میں اس کا کان اس کی آنکھ اور اس کی زبان بن جاتا ہوں۔" (صحیح بخاری)

حاجی صاحب کی زندگی میں حضرت عیسیٰؑ کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ تصوف کے بعض ماہر مستند مصنفین کا قول ہے کہ بعض اوقات ولی کسی پیغمبر کو اپنے لئے نمونہ بنالیتا ہے اور اس پیغمبر کی زندگی کے کچھ خاص پہلوؤں پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پیغمبر کی بعض خصوصیات اس میں جذب ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے انہیں ولایتِ ابراہیمیؑ، ولایت عیسویؑ، ولایت محمدیؐ وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اس میں کوئی بات خلافِ مذہب نہیں کہ حاجی صاحبؒ نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنے لئے مثال بنایا جو کہ روحانیت کی ایک علامت تھے۔ جس طرح کہ پیغمبر اسلامؐ میں اپنی مخصوص خوبیوں اور قوتوں کے علاوہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تمام خصوصیات بھی موجود تھیں۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان ولی اللہ میں حضرت عیسیٰؑ کی بعض خصوصیات موجود ہوں تو یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایک سچا مسلمان ہونے کے علاوہ اس میں حضرت عیسیٰؑ کی بعض خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ بلاشبہ ریگستان کے فرزندوں کو یورپ کے عیسائیوں سے زیادہ حضرت عیسیٰؑ سے مناسبت ہے۔ ایک ولی اللہ کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک یہ ہوتی ہے کہ وہ مریدوں اور دوسرے لوگوں پر محض ہاتھ یا لباس مس کرنے سے ان پر اثر ڈال سکتا ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ آپ اس عجیب وغریب طریقہ سے لوگوں کو داخل سلسلہ فرمایا کرتے

Marfat.com

تھے کہ جس نے لباس کے دامن کو یا آپ کی طرف سے پھینکی گئی رسی کے سرے کو چھولیا وہ بھی داخلِ سلسلہ ہو گیا۔ آپ اکثر اپنی خوشی کا اظہار پیٹھ ٹھونکنے یا گھونسہ مارنے سے فرماتے تھے۔

ہندو آپ کو شری کرشن کا اوتار سمجھتے تھے۔ جبکہ آپ کے بعض عظیم ہم عصر آپ کو قرونِ اولیٰ کے اولیائے کرام کے ہم پلہ خیال کرتے تھے۔ وہ سب آپ کے مدارجِ اعلیٰ کے قائل تھے۔ فقط اتنا ہی کافی ہوگا کہ یہاں بطور مثال آپ کے معاصرین میں سے ایک حضرت مولانا شاہ محمد اکمل آفندی بغدادیؒ کی رائے سے یہ اقتباس پیش کر دیا جائے:-

''اس زمانہ میں کوئی حاجی صاحب کا ثانی نہیں ہے اُن کا عرفان اس قدر زیادہ ہے کہ جس کی انتہا نہیں ہے۔ میں نے بہت سے فقراء و مشائخ کو دیکھا ہے (اور جہاں تک غور کیا ہے اُن کے مدارج کی انتہا نہیں ملی۔ اُن کی اعلیٰ درجہ کی تکمیل ہوئی ہے۔) میں نے بہت سیاحی کی ہے مگر ایسا خاص اور مکمل بزرگ دیکھنے میں نہیں آیا جو اُن کے مقام و مرتبہ کو پہنچ سکے۔'' (بحوالہ مشکوٰۃ حقانیت)

☆☆☆

Marfat.com

باب چہارم

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا مقصدِ حیات کیا تھا؟ کیا وہ دور جس میں آپ کی ولادت ہوئی اور آپ نے زندگی گذاری وہ ایک ولی اللہ کی پیدائش کیلئے موزوں تھا؟ ہندوستان کی انیسویں صدی عیسوی کے آخری نصف کی تاریخ، انگلستان کی تاریخ سے بہت زیادہ مربوط ہے۔ جب ہندوستان کی حکومت تاجِ برطانیہ کے سایہ میں آ گئی تو یہ قدرتی بات تھی کہ زمانہء وکٹوریہ کی سائنسی تحقیقات اور علمی رجحانات کا اثر اس ملک پر بھی پڑے۔ یوں ہمارے ہاں انگریزی تعلیم (مغربی علوم) کا سورج طلوع ہوا۔

مشرق کی سالہا سال کی دماغی غفلت کو مغربی خیالات نے دفعتاً چونکا دیا۔ جہاں تک یو۔پی (آگرہ اور اودھ) کا تعلق ہے تو مغربی تہذیب و ثقافت کے مسلمہ علمبردار سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو بالکل بدل کر دکھ دیا۔ موجودہ نسل کو مغربی تہذیب میں ڈھالنے کیلئے انہوں نے کانٹ چھانٹ والا چاقو سب سے پہلے مذہب پر استعمال کیا۔ انہوں نے کوشش کی کہ قدیم نظریات اور روایات کو رد کر کے اسلام کو یورپین سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں پیش کیا جائے۔ اس نئی تحریک نے جس کو راسخ العقیدہ علمائے کرام اصطلاحاً نیچیری تحریک بھی کہتے ہیں اس نے مذہب کی بنیادوں کو ہلا ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن قدرت ہمیشہ ایسے ماحول کا علاج خود کر دیتی ہے۔ خیالات و اعتقادات کی گڑبڑ کے اس دور میں جہاں ایک طرف دنیا کا رجحان مادیت کی طرف بڑھتا جا رہا تھا دوسری طرف روحانیت کا محیر العقول منظر سامنے آ گیا۔ حاجی صاحب کوئی مولوی یا واعظ نہ تھے۔ انہوں نے اپنے کسی قول و فعل سے انگریزی تعلیم کی ترویج و اشاعت کی مخالفت نہیں کی۔ حاجی صاحب اور سر سید احمد خان کی ملاقات کا ایک دلچسپ

Marfat.com

واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔حاجی صاحب ایک مرتبہ علی گڑھ تشریف لائے۔سرسید نے جب آپ کی تشریف آوری کا سنا تو آپ کی خدمت میں خلوت میں ملاقات کیلئے عرضداشت بھیجی۔انہیں شام کے وقت آنے کیلئے کہا گیا۔سرسید رات کے کھانے کے بعد کافی دیر سے پہنچے۔اور دروازہ پر دستک دی۔خدام میں سے کسی نے پوچھا کہ کون ہے؟ آنے والے نے جواب دیا کہ ''شیطان''۔حاجی صاحب نے فوراً دروازہ کھلوایا اور بہت تپاک سے ملے۔ملاقات معمول سے زیادہ دیر تک جاری رہی۔سرسید نے شکایت کی کہ میرے ہم مذہب مجھے بدعتی، مرتد اور کافر کہتے ہیں۔حاجی صاحب نے فرمایا ''سید کبھی کافر نہیں ہو سکتا''۔نیز فرمایا کہ ''مجھ کو انگریزی تعلیم سے اختلاف نہیں ہے مگر محبت اخلاص اور طلب روحانیت ضروری ہے''۔حاجی صاحب انگریزی داں طبقہ میں اسی قدر محبوب تھے جس قدر پرانے خیال کے لوگوں میں۔سینکڑوں انگریزی داں آپ کے گرد جمع رہتے اور آپ کے قدموں میں بیٹھتے (اور سرِ عقیدت آپ کے پائے مقدس پر جھکاتے) آپ پہلے صوفی درویش تھے جو سمندر پار کر کے یورپ تشریف لے گئے اور آپ ہی پہلے صوفی تھے کہ جن پر انگریزی داں طبقہ فریفتہ تھا۔یہ اس بات کا نمایاں ثبوت ہے کہ انیسویں صدی کہ بیشتر حصے پر چھایا رہنے والا آپ کا وجود مادیت کی برتری اور ترقی کے خلاف ایک عملی احتجاج تھا اور آپ راستی و پاکدامنی کے ایسے مظہر تھے کہ آپ کے سامنے منکرین کی ساری قوت ختم ہو جاتی تھی۔

آپ نے لوگوں کو داخل سلسلہ کرنے کا کام اپنی زندگی کے آخری لمحے تک جاری رکھا۔اور آپ نے 7 اپریل 1905ء کو مختصر علالت کے بعد وفات پائی۔جب آپ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو انسان محوِ حیرت رہ جاتا ہے۔اسی (80) سال کی ریاضت، سات دن کا روزہ، پاپیادہ سفر، لامتناہی مسافت، بیدار راتیں، یادِ الٰہی سے کوئی سانس خالی نہیں، دل محبت کا گہوارہ اور سر قادرِ مطلق خالقِ کائنات کی تسلیم و رضا کیلئے خم۔آپ مملکتِ صوفیہ کے فرمانروا تھے۔آپ کی بے پناہ انسان دوستی اور ہمدردی

Marfat.com

نے مذہب کے مصنوعی اختلاف کو ختم کر دیا۔ اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو اپنے مقدس سلسلے میں داخل فرمایا۔ آپ نے اپنے خاموش عمل سے وہ کامیابی حاصل کی جو زبان اور تلوار سے بھی حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ آپ کا مقصدِ حیات خدا کی محبت کے پیغام کے ساتھ ساتھ آفاقی محبت بھی پھیلانا تھا۔ آپ نے یہ تعلیم اپنے عمل کے ذریعہ دی (یعنی سب سے محبت کی) یوں آپ نے مختلف مذاہب کے انسانوں کو ایک ہی جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ اور خواہشاتِ نفسانی پر غلبہ پا کر اپنی محدود اور فناہ ہو جانے والی ہستی کو لا محدود اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذاتِ باری تعالیٰ میں جذب کر کے یہ ثابت کر دیا کہ انسان کے اندر خدا موجود ہے۔

آپ اسی مقام پر دفن کیے گئے جہاں آپ نے وفات پائی۔ اب وہاں ایک عالیشان مقبرہ تعمیر ہے جو اودھ کے سب سے عمدہ مقبروں میں سے ایک ہے۔ آپ کے جاں نثار پیروکاروں نے آپ کی یاد میں یہ عظیم الشان عمارت تعمیر کی ہے۔ مزارِ اقدس کی سیڑھیوں پر روزانہ زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے لیکن سالانہ عرس کے موقع پر جب ایک مذہبی میلہ بھی دیوہ شریف میں لگتا ہے۔ مجمع کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔ سلسلہ مسلسل ترقی پا رہا ہے۔ ہر سال عرس کے موقع پر کثرت سے نئے لوگ داخلِ سلسلہ ہوتے ہیں۔ باضابطہ طور پر بیعت کی رسم اس موقع پر موجود فقراء میں سے سب سے بزرگ احرام پوش فقیر کے ہاتھوں ادا کی جاتی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:-

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

(ترجمہ: تیرے نقشِ کفِ پا پر صاحبِ نظر سال ہا سال سے سجدہ کناں ہیں)

(تشریح: وہ کہ جنہوں نے خود کو اپنے قلب و نظر اور خواہشات سمیت تمہارے لئے وقف کر دیا ہے جو سالہا سال سے تیرے قدموں کے نشان پر جھکے ہوئے ہیں اور اپنا ماتھا رگڑ رہے ہیں ان پر نگاہِ لطف و کرم فرما۔)

Marfat.com

حاجی صاحب کے وصال پر آپ کی جانشینی کے متعلق ایک تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ نتیجتاً اس کے متعلق عدالت میں دعویٰ دائر کیا گیا اور ایک ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا۔ یہ بات محفوظ ذرائع سے ثابت شدہ ہے کہ آپ نے اس کا عام اعلان فرما رکھا تھا کہ آپ کا کوئی جانشین نہیں ہے۔ آپ نے درج ذیل الفاظ ارشاد فرمائے ''محبت رسمی راستی سے بہتر ہے۔ میرا مسلک عشق ہے اور عاشق کا کوئی جانشین نہیں ہوتا''۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر صوفی درویش یا شیخ کا ضرور ہی کوئی خلیفہ یا جانشین ہو۔ سجادہ نشین مقرر کرنے کے اصول کا اصل مقصد یہ ہوتا تھا کہ سلف صالحین کی باطنی تعلیم کا روحانی سلسلہ آگے چلتا رہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں مذہبی و روحانی اعتبار سے ہدایات کا اضافہ ہوتا رہے۔ قدیم صوفیائے کرام کے دور میں خانقاہ یا مسجد بطور درسگاہ بھی استعمال ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک سجادہ نشین کیلئے تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہوتا تھا۔ تعلیم کے علاوہ اسے دیندار، پارسا اور متقی بھی ہونا چاہیئے تھا۔ اگر کوئی شیخ کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہ کرسکتا تو بعض اوقات اس کے مریدین میں سے جو اس مقصد کیلئے زیادہ اہل ہوتا اسے اس سلسلہ کے مریدین کی اکثریت منتخب کر لیتی۔ حاجی صاحب ان لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ جو اپنے متعلق یا اپنی تعلیمات کی تفصیلات پر کچھ لکھتے۔ لیکن ہم آپ کے بے شمار قابلِ تعریف مریدین کے بے حد ممنون ہیں کہ جنہوں نے آپ کی زندگی کو سمجھا۔ وہ لوگ کہ جو آپ کے حالاتِ زندگی اور تعلیمات کے متعلق جاننے میں دلچسپی رکھتے ہیں اُن کیلئے دو کتابیں تجویز کی جاتی ہیں:

۱۔ مشکوٰۃ حقانیت المعروف بہ معارفِ وارثیہ (از مولانا شیخ فضل حسین صدیقی وارثی اٹاوی)

۲۔ منہاج العشقیہ فی ارشاد الوارثیہ (از مرزا محمد ابراہیم بیگ شیدا وارثی لکھنوی)

میں انتہائی تعظیم و تکریم اور عاجزی و انکساری کے ساتھ اس اعتراف کے بغیر اپنی بات کو ختم نہیں کرسکتا کہ میں اس موضوع کے ساتھ صحیح انصاف نہیں کرسکا۔ جس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ حاجی صاحب ان عظیم ہستیوں میں سے ایک تھے کہ جو خدا کے خاص اور مقرب بندے ہیں جو ہمارے عقل و شعور اور سمجھ سے دور لیکن درحقیقت ہمارے قریب ہیں۔

Marfat.com

a formal declaration to the effect that no one was to be appointed as his successor. He used the following words: "Love is better than formal righteousness. My creed is love and a lover has no successor." It is not necessary that every Sufi *darwesh* or *Shaikh* must have a successor. The principle underlying the appointment of a *Sajjada Nashin* originally was that he should continue the spiritual line by carrying on the esoteric teaching of his predecessor in addition to imparting theological instruction; for in the early days of Sufism a monastery or a mosque was partly used as a seminary also. It was an indispensable qualification for a *Sajjada Nashin* that he should at least be a man of outward piety, besides learning. If a *Shaikh* failed to nominate a successor none was appointed. Sometimes one of the disciples best qualified for the purpose was elected by the majority of the members of the sect. The office has been degraded these days owing to its conversion into a source of gain, and it has lost its pristine sanctity.

Haji Saheb was not the man to write anything about himself or about his particular teaching, but we owe to his admiring disciples more than one account of his life. The following two books are recommended to those who may be interested in his life and teaching:-

(i) ***Maarif Warisiya*** by ***Shaikh Fazal Hussain***

(ii) ***Minhajul Ishqiya*** by ***Mirza Ibrahim Beg Shaida of Lucknow***

I cannot end without making in humble reverence the confession that I have not been able to do justice to the subject, for the simple reason that Haji Saheb belonged to that great company who are the true servants of God, but who are as far removed from our understanding as they are near to Him.

Marfat.com

of Sufism. His great humanity and his wide sympathies enabled him to break from the artificial bonds of religion and to make the people of different castes and creeds shake hands with the followers of his sacred order. He achieved by the silent force of example what was never accomplished by the tongue or the sword. His mission was to teach the love of God as well as universal love. He did so by practicing what he preached, rallying men of conflicting creeds under a common banner, conquering all earthly desires and by merging the finite in the infinite, thus fulfilling God in man.

He was buried on the spot where he died. It is now marked by a splendid monument-one of the finest in Oudh-erected in his memory by some of his devoted followers. The flight of steps leading to the tomb are worn daily by the footsteps of a stream of pilgrims, but the gathering is the largest on the occasion of his death anniversary when a religious fair is held at Deva. The cult continues to progress, for every year at the time of the ***Urs*** fresh admissions are made into the order, the ceremony of initiation being performed by one of the old disciples present. How truly the lines of the immoral bard apply to him :-

(Those who are endowed with the inner vision will, in years to come, rub their forehead and kneel on the ground that was once trodden by you.) May peace be on him.

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

On Haji Saheb's death a dispute arose about succession which resulted in a law suit and the creation of a trust. It is recorded on good authority that he made

Marfat.com

Sir Syed Ahmed. Haji Saheb happened to visit Aligarh. Sir Syed on hearing of his visit, sent a message to him requesting for a private interview, and he was asked to come in the evening. Sir Syed arrived late in the evening after dinner and knocked at the door. One of the servants inquired as to who was there. The visitor answered that it was the Satan. Haji Saheb got the door opened at once and received him most cordially. The interview lasted longer than usual. Sir Syed complained that the members of his own community called him a heretic or even an infidel. Haji Saheb rejoined that a Syed could never be a disbeliever in God and added: "I am not at all opposed to English education, but faith, love and sincerity are the great essentials." Haji Saheb was as popular with the anglicized youth as with the people of the older generation. English-knowing men flocked to him by hundreds and sat at his feet. He is the first Sufi *darwesh* who crossed the seas and visited Europe as he is also the first to have attracted the English-knowing class. His existence which covered the greater part of the century was a practical protest against the supremacy of matter over mind and he represented a type of godliness and righteousness before which the disturbing forces of un belief gave way.

The work of initiation was carried on till the last moment of his life, and he passed away on the 7th of April 1905 after a brief illness. One stands in awe and pictures to oneself the four score years of self-imposed suffering, the seven days, fast, the barefooted journeys, the endless wanderings, the wakeful nights the ceaseless breathing of the name of God, the heart filled with love and head bowed to the Maker in absolute resignation! He was a monarch in the domain

Marfat.com

Chapter 4

The question now arises : What was the purpose of his life and were the times in which he lived and moved particularly favourable for the birth of a saint? The history of India after the first half of the nineteenth century is closely connected with the history of England. The government of the country having been taken up by the Crown, it was natural that the scientific and intellectual activities of the great Victorian age should have their influence over this country. It was the dawn of English education among us. The impact of Western ideas after long years of mental lethargy in the east brought about a rude awakening. So far as the United Provinces of Agra and Oudh were concerned the appearance on the scene later of that redoubtable champion of Western civilization and culture – Sir Syed Ahmed Khan – revolutionized the whole Muslim community. In his anxiety to model the rising generation on Western lines he applied the pruning knife to religion first. An attempt was made to reject the ancient theories and traditions and to explain away the rest in terms of European science and philosophy. The new movement, termed by the orthodox as the "naturalistic" movement, threatened to shake the foundations of the faith. But nature always adjusts its forces. In the midst of this welter of ideas when materialistic tendencies were growing on one side, a dazzling spectacle of spiritualism was presented on the other. Haji Saheb was not a hierophant or a preacher. He did not oppose the spread of English education. An interesting story is told of an interview between Haji Saheb and the late

Marfat.com

have followed the example of Christ who had a marked spirituality, inasmuch as the Prophet of Islam combined in his person all the powers and goodness of Moses and Christ in addition to his own. If a Muslim saint has something of the Christ in him, it may safely be inferred that apart from being a true follower of Islam he possess in an eminent degree the qualities attributed to Christ. After all the "sons of the desert" and their descendants bear a greater affinity to Christ than his followers in Europe. One of the peculiarities of such a saint is that he can influence his disciples as well as other people spiritually by a touch of his hand or his garment. This seems to account for the peculiar method of initiation introduced by Haji Saheb, namely, the fact of a növice being required to touch the hem of a garment or the end of a cord passed round to him. He often expressed his satisfaction by patting one on the back or giving mock blows.

The Hindus regarded him as an incarnation of Sri Krishna while some of his great contemporaries looked upon him as a perfect image of his prototype, the ancient Sufis. All of the acknowledge his superiority. It will be sufficient to give the following extract from the opinion of one of his contemporaries, namely, Maulana Shah Mohamed Akmal Afandi of Baghdad :-

"Haji Saheb has no equal in this age. The degree of gnosis attained by him is unsurpassed. I have seen a number of ***Darweshes*** and ***Shaikhs*** and have traveled much, but I have not come across on who could approach him."

☆☆☆

Marfat.com

experiment. They had the floor spread with white linen and had the ground in front of the house well watered. To their great surprise they failed to discover any mud stain on the linen which, to be sure, was carefully examined as soon as he was gone. Numerous eyewitness of the fact are still living whose veracity cannot be doubted.

When a man identifies himself with God the powers of God are manifested through him unconsciously. In the degree the human will is transmitted into the divine will and acts in conjunction with it does it become supreme. According as the effects produced by the powerful soul are good or bad they are termed miracles or sorceries. These souls differ from those of the ordinary people in three ways:

(1) What others only see in dreams they see in their waking moments.

(2) While the wills of other people affect their own bodies a saint by will—power can move bodies extraneous to himself .

(3) The knowledge which others acquire by study comes to them by intuition. God has said "My servant seeks proximity to Me that I may make him My friend; I become his ear, his eye and his tongue."

Haji Saheb's life reminds one in an obscure way of the life of Christ. Some authorities on Sufism hold that a saint sometimes takes one of the apostles for his model and concentrates his attention on certain aspects of his life till he has absorbed in his own person some of the excellences of that particular apostle. They thus speak of ***wilayat-i-Ibrahimi***, ***wilayat-i-Eeswi***, ***wilayat-i-Mohammadi***, etc. there is nothing incongruous in the idea that Haji Saheb should

Marfat.com

Those who are true to the Highest within them can call forth the good in each individual who is brought into contact with them. He taught by example and not be precept—by living the life and not by dogmatic teachings as to how it should be lived. In life, as in art, the only profitable method of teaching is by example. Our Prophet exemplified in his person what he preached and the same is true of his predecessors, Moses and Christ. He impressed on his disciples the fact that one should pray to God for the sake of praying and not with a view to any future reward. It is difficult to conceive of a higher standard of religious teaching. It may be said that the ideal placed before his disciples was too high to be attained by the average man. It is impossible, however, to comprehend the vast moral amelioration effected by his teaching.

Haji Saheb never claimed any extraordinary powers for himself, but there are innumerable instances on record of his healing the sick at a glance or by a touch things done in the ordinary routine of life seemed to order on the supernatural. Once on his way to Bahraich he wanted to cross the Gogra, but no boat was available at the ferry. He decided to swim across the river with his companions who were in a state of terrible fright and reluctant to follow him; but they were astonished to find the water only knee-deep when they got in and simply waded through. What was a matter of everyday experience for those who lived in his company may sound incredible now, namely, that his feet never showed any sign of dirt though he always remained barefooted, nor did they leave any mark or impression on the carpet when he walked into a room. Most people did not believe it. Some of them invited Haji Saheb to their houses to try the

Marfat.com

because he remained always in a mantic state. According to the Sufi doctrine, a Sufi *darwesh* while in the state of *sukr* (intoxication) is exempt for the time being from the religious obligations imposed on those who are in a state of "sobriety". The term "intoxication" is applied to a God-intoxicated man and is used to denote the rapture of love for God—a state in which all human attributes are annihilated and one sees nothing but God. "When the gnostic's spiritual eye is opened, his bodily eye is shut." Haji Saheb has himself put it that he could not with propriety address Him, as if He was absent, and go through the pretence of saying his prayers. He disliked all formalism and seemed to agree with the great Rumi who says :-

"Fools exalt the mosque, but ignore the true temple in the heart."

A reply given by him to a theologian on the same point was typical of him:-

"If anyone sees God and kneels before Him, he is called a herètic, but those who kneel without seeing are described as true believers."

As regards the second charge, it must be conceded that his readiness to take men of all creeds into his order strikes one at first sight as an innovation or a departure from the established practice; but it is only a proof of the higher powers of his mind. Besides being a sign of a great sage, it goes to show how far he excelled other Sufi *darweshes* in breadth of vision and was the first to open the gateway to Sufism so wide as to admit into it people of different faiths. He stands unique in this respect among the members of his fraternity. Like Christ who ate with plebeians and sinners, Haji Saheb took the good and the bad alike into his fold.

Marfat.com

(another disciple of Haji Saheb) who was returning to India after being called to the bar, and the Count arrived at Deva eventually. In the course of the interview Haji Saheb said to him:

"You have come and are united with me. Blessed be your coming. You and I shall be there together."

The Count appears to have been well satisfied with the result of the interview, for on his way back he wrote from Paris to a member of his order at Deva to the effect that he perceived how their saint had been with him in the divine path from the first to the last.

It is worthy of note that a number of men educated at British Universities as well as in India are among the followers of Haji Saheb. Some of them have risen to positions of great eminence.

There has not been a prophet or saint since the beginning of the world who has not had his opponents and whose conduct has not been the subject of adverse criticism. Despite his saintly life and Catholicism, Haji Saheb was not regarded as a model of orthodoxy by a certain class of Muslims who were inclined to be pharisaical. The main charges against him were that he did not say his prayers regularly (i.e., five times a day) and that he admitted all sorts of people into his order who, owing to want of proper teaching, displayed great laxity in the performance of religious duties. The first charge arose partly from "odium theologicum" and partly from misapprehension. It is true that Haji Saheb did not say his prayers like ordinary Muslims but he did so at times. There is absolutely no evidence of the fact that he ever departed from the recognized tenets of the faith. He held fast by the book of God, and if he did not outwardly observe the letter of the law, it was

Marfat.com

thronged with crowds. It is said that on the occasion of his first visit to Darbhanga there was such a rush in the house where he was staying that one of the doorways collapsed and he was moved to another part of the building. The initiation occupied the whole day and yet the crowd did not seem to thin. When he left the place about 10,000 people followed him. He stopped in the way and desired that his palanquin be placed on a raised piece of ground so that the people may touch it in token of their being included among his followers. On another occasion the crowd was so dense at a railway station that no one could pass through, though everyone wanted to be near him to be initiated. He looked round and said: "You all are my disciples, go." A departure was made from the ordinary method of initiation when the crowd grew too thick to permit every person being formally initiated, and a rope or a sheet was held out, the far end of which people were required to touch.

Of his European disciples who had received some training, three were known as Walayati Shah. One Mr. Johnston, at one time S.P. in the United Provinces, and several Anglo-Indians are said to have belonged to his order. One of his Parsi disciples, who was a convert, was personally known to the writer. He was well versed in Islamic Theology. A strange story is told of a Spanish nobleman of the name of Count Galarza who came all the way from Spain to pay a visit to Haji Saheb and to be initiated in his order in London. A disciple of Haji Saheb who was interested in spiritualism made an exhibition of his powers. They were often thrown together, and the Count hearing of the greatness of his saint set his heart on seeing him. An interview was arranged through a Muslim student

Marfat.com

ahram was brought by any one of them, he was requested to change, and the one he had on was taken away by them. It was held in such deep veneration that it was impossible for anyone to get the whole *ahram*. It was torn into pieces which were distributed as relics. The avidity of his disciples to possess themselves of these relics was carried so far that on some occasions he had to change several times in the course of the day. The *ahram* was sometimes brought before him to the accompaniment of music.

His disciples may broadly be divided into two classes—the *Khirqa Posh* (those who embraced the ascetic life) and the "Men of the World" (those who adopted his doctrine but made no ostensible change in their ways of life.) the *Khirqa Posh* may again be subdivided into those who were considered to be fully qualified and received the *ahram* and those who assumed the garb of the order without permission and were quite innocent of spiritual training.

The "Men of the World" outnumbered the *Khirqa Posh*. His biographers confess their inability to estimate the number of his disciples, as they are scattered all over the Asiatic continent and parts of Europe. One of them has hazarded the figure of four lakhs; but he seems to have erred on the side of caution, if we accept other accounts as true. Haji Saheb did not invite or persuade any one to enter his order. He was adored wherever he went. The extraordinary spell exercised by him not only on the popular mind, but on the rich and poor, the educated and the uneducated alike, can only be accounted for by the principle that if you would have all the world love you, you must first love all the world. The railway stations and streets of the towns which he visited were

Marfat.com

faqirs of different *panths*, paid homage to him and entered his order. He always welcomed them in these words:
"You and I are the same." He recognized God in every individual, because he had first realized Him in himself..

He did not ask non-Muslims to abjure their religion. On the contrary he advised them to follow it with greater zeal and sincerity. For those who belonged to any profession or trade, he often added a few words of advice which had a bearing on their individual calling. If any person showed an eagerness, after the pledge had been taken, for a religious life and chose to retire from the world, he was given a ***tahband*** (a garment similar to his own which has come to be recognized as the badge of the order) and received some verbal instructions, with the direction to leave for some far-away place where he was to stay and go through the prescribed course of training. The ascetic discipline which the novices were required to undergo was the hardest ever known. For example, one was asked to keep his eyes open which meant that the man was to deny himself the solace of sleep for the rest of his life. Another man was directed to give up all kinds of food and to live on such fruit as he could pick up in the jungles. After a certain period he was only to smell the fruit when there was a craving for food, and at the final stage he was to content himself with simply looking at it. The teaching was not the same for every one. It varied according to the capacity of the individual. As a rule those who were invested with the garb of the order were given a nick-name. It will not be out of place to refer in this connection to a ceremony originated by Haji Saheb's disciples. When a new

Marfat.com

one felt truly the touch of nature which makes the whole world kin.

There are three important schools or monastic orders of Sufis, namely Qadirya, Chishtiya and Naqshbandia. Haji Saheb belonged to the first two. Unlike other Sufi *darweshes* he did not initiate people privately. He had different formulas for members of different faiths. When initiating the Jews and the Christians he used the following words :-

"Moses, Christ and Mohammed are all three Apostles of God. If you do not believe in any one of them, do not speak ill of him. Abstain from unlawful things."

According to the Holy Quran, God made no distinction among the Aposties. His teaching was, therefore, based entirely on the word of God. It will not be out of place to refer here to another verse in the Book which says that "the nearest in friendship to Muslims are those who call themselves Christians, for they have among them (learned) priests and monks who behave with humility." (Part VI, Chapter V). Every Christian ought to read these lines. In view of the past conflict between Christianity and Islam, it is high time that Europe rose to the realities of the moment and revised its knowledge of Islam by proper study and by casting off old prejudices and wrong notions disseminated by ill-informed European writers, especially Missionaries. Will a union between Islam and Christianity be a great political asset, is a question for European statesmen to consider.

To the Hindus he said :-

"Believe in Brahma. Do not worship idols. Be honest." With him there were no distinctions of ***meum et tuum***. Thousands of Hindus, including ***sadhus*** and

Marfat.com

These maxims only point to the transcendental doctrine common to the majority of the Sufis that God alone has real existence. Everything else is *non ens*. This is a great controversial point between the Sufis and the theologians, there being disagreement among the Sufis themselves. A section of them is opposed to the pantheistic view that "all is God" and believes in its reverse that "God is all" and accounts for the universe as a manifestation of His various attributes, though acknowledging that the whole creation is bound in one definite and consistent unity. There seems, however, nothing heterodox in the Sufistic view which is supported by the following verse in the Holy Quran. The Almighty said, addressing the angels. "When I have made him (i.e., man) complete and breathed into him of My Spirit, kneel before him." (Part XIV), Chapter XV). There are more than one verse to this effect in the Holy Book. For those who believe in it, no further proof is needed of the fact that this "quintessence of dust" has within him the Divine Spirit. How strange that the pagan philosopher, Epictetus, should have exclaimed hundreds of years before the Book of God was revealed: "Thou art a piece of God, thou hast in thee something that is a portion of Him. Unhappy Man! Thou bearest about with thee a God and knowest it not!"

It is the realization and development of the divine element of one's nature which the Sufis aim at. Sufism is essentially a cosmopolitan creed, but Haji Saheb enlarged its bounds to the extent which it had not know before. He admitted freely into his order men and women of every religion, caste and creed. He declared openly that Muslims and Hindus, Magians and Christians were all one in his eyes. In his presence

Marfat.com

- Distance does not count in love. If you love me, I am with you even if you are at a distance of thousands of miles.
- Love is akin to faith.
- Love of God turns disbelief into faith.
- The universe is governed according to the sentiments of the lovers of God.
- Do not carry your want before God even if you are starving, for He knows everything.
- Real worldliness is forgetfulness of God.
- A true *faqir* is never in want.
- Islam is not identical with faith.
- Remain always the same.
- What you do once, continue to do it.
- Trust in God. If you rely upon Him truly, you need not worry about your daily wants.
- Faith should be free from doubt.
- Not a breath should pass without the remembrance of God.
- It is no use going to the Kaaba for those who cannot see God here.
- The same God is to be found in the mosque, the church and the pagoda.
- God does not live on the empyrean. He exists everywhere. One who cannot see God in this world is blind.
- If your love is true, you can see God, for you cannot love without seeing.

The last two may not inaptly be compared with the concluding words of St. John's First Epistle :—

"Beloved are the sons of God.....we know that when He shall appear ..... we shall see Him as He is."

Marfat.com

Chapter 3

Haji Saheb was so possessed of the Divine Idea that he had practically lost all self-consciousness. It is remarkable that he never mentioned his own name. Nor did he ever write it with his own hand. It may be taken as an indication of the fact that he had so effaced himself as to be unconscious of his own existence as a separate entity. "In that state" (that is, ***Fana***) to use the words of Imam Ghazali, "man is effaced from self so that he is neither conscious of his body nor of outward things. Even the thought that he is effaced from self should not occur to him. The highest state is to be effaced from effacement." This was doubtless the state which Haji Saheb had reached. "The man that knows God best", said Zunnun Misri, "is the one most lost in Him."

The inward bent of Haji Saheb's mind prevented him from holding long discourses, and this accounts for the lack of any systematic teaching for which we search in vain in the record of his long life. He was one of those saints whose thoughts are altogether absorbed in the contemplation of the Majesty of God and have no room for anything else. His biographers have, however, collected some of his precepts, a few of which are :—

- Divine love cannot be acquired. It is a gift of God.
- There is no method in love.

Marfat.com

As for resignation to the Divine Will, he showed a stoical indifference to the disagreeables of life. He is not known to have ever complained even of the weather. When he happened to be unwell, it was a hard task for his medical attendant to elicit from him what his trouble was. He never said a word that might convey the. sense of suffering, and contended himself with saying that nothing was wrong with him. He did not like to hear other people speak of their troubles, and enjoined complete acquiescence in the will of God. Far from claiming to interfere in the decrees of Heaven (as some *faqirs* pretend to do) he moved in perfect harmony with the Divine Will, thus expressing man's responsibility of becoming a co-worker with nature in the divine scheme of things. This is the highest form of self-control and submission to the Eternal Law.

The final stage in spiritual progress is ***Fana*** or the state of being merged in God. But there is a still higher state termed ***Baqa*** which is the continuance of annihilation in the Eternal Consciousness. It is the crown of spiritual attainment and the acme of self-annihilation. Some philosophers hold that to look with admiration on a type of perfect excellence is the way to become assimilated to that excellence. The Sufis believe similarly that constant contemplation and dwelling on the attributes of the Supreme Being result in union with Him.

☆☆☆

Marfat.com

In the early stages of training a beginner is required to learn two most important practical lessons, namely, complete dependence upon God ***(Tawakkul)*** and resignation to the Divine Will ***(Taslim wa Raza)***. The word ***Tawakkul*** in ordinary parlance signifies trust in God, but has been much abused by a certain class of Muslims who are religiously inclined. Thousands of men who can do useful work live upon alms and charity in convents and schools and believe that they are following the teachings of their religion, inasmuch as they depend upon God alone for their means of subsistence. This has killed the spirit of self-reliance and increased the number of unproductive units in the community. The Sufis use the word in quite a different sense as explained by Ghazali:—

"When the veil of secrecy is removed, one finds by actual observation that nothing other than God is self-existent; that causality is mere delusion and that He is the real cause and agent of all that takes place in the world. In this ecstatic state the Sufi becomes independent of all external agency and relies upon God alone for his wants."

It has been said that Haji Saheb gave away all his property when he left home. The house in which he came to stay in later years was not his own. Some of his disciples made arrangements for his food and brought it to him, but he never asked for it. He did not accept ***nazr,*** and never touched money with his hand. People sometimes made presents to him. He did not reject them, but gave them away to other persons. The true test of a ***faqir,*** he is reported to have said, was that he should not ask for anything, not even of God. The love of God is the extinction of all other loves and desires.

Marfat.com

Love rules the Court, the camp, the grove ;
For Love is Heaven and Heaven is Love.

It was love which fired the soul of the great Rumi and made him burst into the following strain :-

Hail to thee then, O Love, sweet madness !
Thou who healest all our infirmities !
Thou art the cure of our pride and our self-conceit
Thou art our Plato and our Galen !

It is interesting to find an echo of the old Sufistic theory in the writings of the Western spiritualists of today. A well known American writer (Ralph Waldo Trine–"In Tune with the Infinite".) on spiritualism says:-

"The moment we recognize ourselves as one with the spirit of Infinite Love, we become so filled with love, that we see only the good in all, and when we realize that we are all one with this Infinite Spirit, we realize that we are all one with each other ..... that the same life is the life in each individual. The prejudices go and hatreds cease. Love grows and reigns supreme."

Haji Saheb asked his disciples to love him and to love one another, and laid great stress on this point.

A Sufi has to pass through several stages in the up-hill path of knowledge which he seeks. Haji Saheb does not, like other Sufis, appear to have advanced by stages in the pilgrim's progress. He is said to have been as proficient in spiritual knowledge in his youth as he was towards the close of his life. He is, on this ground, believed to have been born a saint. It is averred further that he derived inspiration direct from the Caliph Ali (may peace be on him) who is believed by the Sufis to have received his spiritual training from the Prophet himself.

Marfat.com

The form which spiritualism has taken in Europe and America is quite different from the spiritualism of the Eastern Sufis. In those countries it consists in table-turning, spirit-rapping and holding communications with the spirits of the dead through a medium. People in this country have long been familiar with séances, but it is wrong to associate such practices with Sufism. European spiritualists have begun to realize that séances are a hoax, founded on the tricks played by the mediums. These dilettante experiments in the realm of the spirit are as far removed from the higher manifestations of the soul and its mysterious relations with the Creator as Metaphysics is from Logic. What distinguishes a high order of man from a low order of man or what constitutes human goodness, belongs to the domain of ordinary ethics; but when self-forgetfulness and self-sacrifice are carried to an extreme for the sake of attaining the highest beauty of the soul, one is said to have acquired the real knowledge of God. This is exactly what Sufism claims to teach. The pantheistic tendency, with which it became imbued subsequently under the influence of foreign ideas and particularly of Greek philosophy, was an unknown feature in ancient Sufism.

According to Spinoza, "to know God, as far as man can know Him, is power, self-government and peace." Haji Saheb was one of those men who knew God as He ought to be known. He was not the founder of any new sect or creed, but he was a man of uncommon power and goodness. The keynote of his system was "divine and universal love." The English poet appears to have been inspired by the same sentiment when he said:-

Marfat.com

sanctity of the order could not hold its own against the growing forces of re-action.

In modern times the so-called ***Shaikhs*** or ***Pirs*** introduced the system of offerings and cash presents ***(nazr)*** which, unlike their predecessors, they accepted freely to enable them to live in comfort and lead a life of leisured ease. This excited the jealousy of the pure theologians who earned a precarious living by indicting doubtful *fatwas* and leading the prayers in mosques. To their mutual detriment, the line that divided the two parties became more marked as time passed. The Sufis lost the learning of the theologians and the latter, the broad spirit, the ethical refinement and the toleration of the former. The disposition to worldliness changed the entire character of the coterie. Another fact among the series of causes which affected its high moral tone was the use of the phraseology of human love for the love of God by the Persian poets. The analogy, when carried too far in less scrupulous surroundings, was calculated to result in bringing discredit to the cult as it subsequently did. The ***Shaikhs*** of old have now degenerated into professional ***Pirs***-third—rate men who claim to give passports to heaven and trade on the credulity of their followers at whose expense they are fed and pampered. They have also introduced other innovations, such as the worship of shrines and tombs, which are entirely opposed to the teachings of Islam. It may be noted here that much theological learning (which is on the wane now) is not necessary to obtain an insight into the practical side of Sufism. What is most important is the possession of the true love of God and zeal for spiritual advancement.

Marfat.com

matter worthy of notice of the Western scientists as well as of the younger generation of our students. One is inclined, in all fairness, to give the palm to the Eastern mystic for his superior knowledge of the laws of nature.) all matter is composed of invisible particles or atoms which are drawn towards one another by mutual attraction. The same law exists in the organic world. He interprets this tendency of bodies to approach one another as LOVE. It is argued on the same lines that man, having been evolved out of matter as the highest form of creation and having been endowed with reason, must essentially claim still greater affinity with the divine and Absolute Reason. "Rightly to understand the love of God," says Ghazali, "is so difficult a matter that one sect of theologians has altogether denied that man can love a being who is not of his own species, and has defined the love of God as consisting merely in obedience......The love of Him springs from the knowledge of Him". But the chief cause of this love, it is explained, is the affinity between man and God which is referred to in the saying of the Prophet: "Verily God created man in His own likeness."

For the purpose of practical training in Sufism, it is necessary to go through certain ascetic exercises and observances under the guidance of a spiritual preceptor or ***Shaikh***, as the Sufis call him. It is through him by means of concentration that one is linked with God when the mind has been chastened by long training. A great deal depends on the character of the ***Shaikh***. It has been said that the early ***Shaikhs*** were men of great piety and learning. With the decline in the true spirit of Islam as well as in learning, the traditional

Marfat.com

theosophy of the Vedants or from Neo-Platonism. The great authority of Ibn Khaldun (who has been quoted above) entirely repudiates the theory that Sufism was engrafted upon Islam. While differing in some respects from the ordinary Muslim view, it is based entirely upon the teachings of the Holy Quran and has nothing exotic in it. The man who above all others gave to Sufism a permanent shape was the great Imam Ghazali who lived in the fifth century of the Hijra. He was anxious to distinguish it from mere asceticism. He, therefore, brought Sufism into harmony with orthodoxy and placed it on a metaphysical basis. But Sufism is more of a practical science than a study of the things of the soul. To acquire an insight into Sufism, it is not sufficient to know the history of the sect. The very first lesson in Sufism is beyond the reach of the average man, as it consists of self-mortification combined with fervid piety. The secrets of the order were, therefore, originally imparted to the select few only who showed a desire and capacity for spiritual development. Hence the veil of mystery drawn over it.

The eternal order of the universe according to the Sufis is based on love. The word is used by them in a technical sense. According to Maulana Rumi, (Maulana Jalaluddin Rumi, (604—672 A.H.) the greatest authority on Sufism, has, in famous "Masnavi", put forward theories which correspond exactly to those of gravitation and evolution. He has traced the origin of man from matter and described the various stages of evolution through which man has passed. That a Sufi saint should have discovered and discussed these theories (however crude in form), centuries before Newton and Darwin were born, is a

Marfat.com

part of their system. It was probably the desire for a life of retirement and seclusion which led ultimately in extreme cases to complete renunciation of the world, otherwise the majority of the Sufis believed in being in the world but not of it. They were originally the object of much derision, and those who followed the letter of the law looked askance at them as some Muslim sects still continue to do. But it was not long before they counted in their ranks famous theologians and learned divines. Imam Shafai (a great canonist in Islam) is reported to have said that the knowledge of God possessed by the whole world did not equal his knowledge, yet it fell short of the knowledge possessed by the Sufis. In the third century of the Hijra, Sufi doctrines were considerably developed, and brought some of the more advanced members of the sect into conflict with the ecclesiastical authorities. It ended in the sentence of death being passed upon Mansur Ibn Hallaj. The story is too well-known to warrant a repetition. "Whoso worships God by the light of ordinary religion is like one who seeks the sun by the light of the stars" is one of the beautiful sayings attributed to him. According to Bayazid of Bustam, one of the most eminent Sufis of early period, "the performance of miracles is not the real test of a saint, but a goldly and righteous life." The yearning for the "inner light" seized the heart and imagination of the Islamic world, and Sufism grew to be the craze in religious circles.

The East has been noted for its mysticism. Before the advent of Islam mysticism was practised not only by the ancient Hindus, but by Christians also, it was probably on this account that foreign writers were led to imagine that Sufism was derived from the

Marfat.com

Chapter 2

Before his esoteric teaching is dealt with, a word about Sufism will not be amiss. Unlike the "Elcusinian mysteries" of the Greeks (A society of cultivated Athenians in which the initiated alone could be admitted. They sought after a more adequate conception of the Deity than what was current in the popular religion) there is nothing mysterious about it. The legends and myths which form a halo round the lives of early Sufi saints have given a tinge of the supernatural to Sufism just as Freemasonry is associated by the common herd with magic. Founded on a desire for something deeper than mere formalism, Sufism stands on thoroughly orthodox ground. Ibn Khaldun observes in his prolegomena that the fundamental principles of Sufism prevailed among the Companions of the Prophet and the followers, but in the second generation, when Islam grew more worldly, those who were religiously inclined lived a life of seclusion and piety. They had a coterie of their own and were nick-named "Sufis." (The term Sufi was first applied to Abu Hashim of Kura (2nd century Hijra or 800 A.D.) though Hasan of Basra is regarded by some authorities as the leader of the movement.)

Jami says in his life of Abu Hashim that the first convent for the Sufis was built by a Christian nobleman. This was the beginning of the monastic institution in Islam, which though opposed to the teaching of the Prophet, namely, that "there is no monkery in Islam" came to be adopted by the Sufis as

Marfat.com

recovery. He followed their advice, but his compliance was nominal. He proved by his example that man can live by God alone, though he cannot live by bread alone.

☆☆☆

Marfat.com

interior. His features were handsome, with an unusually broad and intellectual forehead. But his eyes formed the center of attraction. They possessed a magnetic power which was irresistible. When he walked in a crowd or assembly, he always seemed taller by the head. He never sat on a chair or sofa or used a bedstead. He slept on the floor throughout his life, but without a pillow. Some of his disciples state that he never actually fell into a slumber.

If he once passed through a road or street he would go by the same way when he visited that place again. If carried by a different way, he would turn back and follow the old route. He stuck with the same tenacity to his resting places in his journeys and to his hosts. It is one of those rare qualities of the mind from which spring lifelong friendship and affection. With him to know a man once was to know him always. He observed unusual silence during the first ten days of Muharram. Though he liked to hear threnodies, he insisted on the recitation of only such as contained the true account of the tragedy enacted at Karbala. He discouraged the outward show of grief. He accompanied the *tazias* sometimes and always stood up when a *tazia* passed by his own house. He did not hear music during Muharram. When he did so at other times, he was never seen in a state of ecstasy—an exhibition associated with Sufis of lesser degree and of inferior calibre.

Reference has been made in the foregoing lines to his habit of fasting. From the age of fifteen to that of forty, he ate once in seven days. The interval was shortened subsequently to three. At the age of fifty, he had a severe illness and his medical advisers insisted on his having nourishment twice a day, even after his

Marfat.com

not. His paternal house was in ruins. He went round the village, but no one came forward to welcome a ***faqir***. Some of his relations who heard of his arrival shunned him lest he should claim his property which they held in their possession. He smiled at their coldness and remarked: "They seem to think that I have come back for the sake of my property as if I care for it." He went away immediately and resumed his wandering life. He probably returned to Lucknow in 1857 when some people saw him just before the Mutiny. He spend about fifty years or the greater part of his life in travelling, but very little is known about this period. It was not till 1899 that he came to stay at Deva permanently at the request of some of his disciples, though he paid frequent flying visits to the town of his birth previous to that date.

Haji Saheb's asceticism led him to adopt a life of celibacy. It was quite in keeping with the conduct of one who renounced the world in early youth on account of his soul-consuming love of God. From this sacrifice of human affections it is not, however, to be imagined that he lacked tenderness of heart.

Being habitually absorbed in contemplations, he was a man of few words. He spoke quickly and in soft tones with downcast eyes. He often repeated his words to emphasise their meaning. He was not wanting in a sense of humour, despite his Spartan brevity. Though he did not answer Avicenna's description of a Gnostic-***Alarifo farhun bashashun basamun*** (a Gnostic is always cheerful and smiling) — his conversation was often enlivened with a smile which never broadened into a laugh. He was particularly good and considerate to the poor, and his general bearing was one of humility. His exterior corresponded to his

Marfat.com

ever ridden a horse or vehicle, and only got into a boat when he had to cross the seas. He visited Constantinople in the time of His Majesty the late Sultan Abdul Majid I. One day Haji Saheb was going round the palace gardens to which he was conducted by one of his disciples (a functionary at the royal palace) when the Sultan happened to arrive. He was so impressed at the sight of the holy stranger that he offered himself to be admitted into his order and was duly initiated. Thousands of persons are said to have become his disciples during his sojourn in the countries which were once the birth-place and stronghold of Islam. It is difficult to conceive that in his youth he should have obtained such proficiency in mystic knowledge as to inspire people much older than himself with deep faith in him and longing for a spiritual life, and that he should have been welcomed in the sacred places like the holy of holies. Nor is there any instance on record of one so young starting life as a *darwesh* and attracting so much notice, especially in foreign lands. With his inherent love of God he united great powers of the mind which are acquired by other mystics after long years of self-mortification and hard ascetic discipline. But of this later.

It is interesting to note that on the occasion of his visit to Berlin, Haji Saheb was a guest of Prince Bismarck. One cannot but miss an account of what passed between the future statesman and the humble servant of God and how they came to meet each other.

He went on pilgrimage to Mecca seven times from India. Three times out of seven he performed the journey on foot, crossing the formidable hills of Afghanistan in naked feet. When he returned home after more than a decade, his own people knew him

Marfat.com

him in another direction. He was only fifteen when he started on a pilgrimage to Mecca. He gave away all his property, including a valuable library, to his relations and destroyed the papers relating to his landed estates. When he left home he possessed nothing in the world which he could call his own.

That his mode of living was ascetic even at this early age is shown by the fact that he ate only once in three days. For twelve long years he travelled in Arabia, Syria, Palestine, Mesopotamia, Persia, Turkey, Russia and Germany. It is regrettable that no detailed account of his extensive travels has come down to us. His biographers have recorded some miraculous incidents which are omitted here for lack of reliable evidence. He seldom spoke on the subject himself. What little could be gathered from scraps of conversation was jotted down by a companion. It is said that he performed the Hajj ten times in the course of his travels. One day while inside the Kaaba, he began humming a tune, the opening bar of which was ***Ishaq men tere koh-i-gham sar pe liya jo ho so ho.*** The keeper of the Kaaba went up to him and said: "You seem to forget that this is the house of God." Quick came the retort: "Can you tell me a place where God is not present?"

One of the most important rites of the Hajj is the temporary discarding of made-up clothes and the donning of the ***ahram*** (an unsewn piece of cloth wrapped round the body). The pilgrims resume their ordinary garb when the Hajj is over. From the date of his first Hajj, Haji Saheb adopted the ***ahram*** as his garb, and retained it throughout his life. He abandoned subsequently the head-dress and the shoes also. He visited the countries enumerated above without having

Marfat.com

which he was fond of reciting. Swimming was another passion with him.

His biographers are silent on the subject of his studies and the extent of his learning. It is certain, however, that he did not acquire much from books. But in his advanced age people came from distant places to discuss theological questions with him, and some even went to the length of charging him with un-orthodoxy. He had a dislike for controversy, but his replies, though brief, generally silenced his adversaries and showed a thorough knowledge of the subject in dispute. He could speak Arabic, Persian and Pashtu. Probably he picked up these languages in his travels.

He was in the habit of visiting the tomb of Shah Abdul Munim (a Sufi saint) at Deva, and passed night after night there in his devotions. It soon became evident to those around him that he was not quite of the earth. His brother-in-law, Haji Syed Khadim Ali Shah, who lived in Lucknow, was a man of great learning, and a Sufi of no mean order. He took charge of the boy's education personally and when he was only eleven years of age, the elder Syed initiated him into the mysteries of occult science and gave him the necessary training. It was not long before Haji Khadim Ali Shah died and his mantle descended upon the boy at whose feet thousands of followers were to sit in later years. He was duly elected a successor of the deceased Haji. (Haji Khadim Ali Shah's tomb is situated in Golanganj. It is now enclosed in the grounds of the house occupied by the Principal, Lucknow Christian College.)

At the age of fourteen he started initiating people in his order and had quite a number of disciples. The burning glow of divine love, however, impelled

Marfat.com

The date of Haji Saheb's birth is disputed. Several dates are given, varying from 1233 A.H. to 1238 A.H. According to the author of ***Maarif Warisiya,*** 1234 A.H. is the correct date. It corresponds to the year 1819 of the Christian era. The name given to him had a peculiar significance. WARIS is one of the ninety-nine names of God (as used in the Quran) and is indicates that after everything else has perished, He alone will survive. It was an ancient practice among the Sufis to seek annihilation in one of the Divine attributes which coloured the whole of their existence and became its predominant feature. The attribute in question involves the annihilation of self and the true recognition of the everlasting nature of the Deity. He cut him-self off completely from the world and attained the highest degree of self-abnegation, as we shall see later. Thus realizing a particular aspect of his name which lives today though he is no more.

He was not quite three years old when he lost both of his parents. He was regarded as something of an infant prodigy. At the age of five he started learning the Quran and committed it to memory in two years. He did not take to his other studies kindly. Though he seldom read his books, to the amazement of his tutor he could always say his lessons correctly. He seemed to learn by intuition. He preferred solitude to books and often slipped away to out-of-the-way places. He spent long periods in retirement and contemplation. Once on a search being made he was discovered in a wood in a state of meditation.

He was never seen playing with children of his age, but he was indulgent to them and took pleasure in giving them sweets and distributing money among the poor. He loved to hear stories and delighted in poetry

Marfat.com

Chapter 1

Into the Kingdom of Knowledge, as into the Kingdom of Heaven, whoso would enter must become as a little child. *(Francis Bacon)*

In the first quarter of the nineteenth century when the din and clash of empires had hardly subsided in Europe, when the Moghal empire in India was in its last throes and when the British rule was being rapidly established in other parts of the country, a child was born in a quiet little town in Oudh whose word and example were destined to influence the religious conceptions and ideals of an incredibly large number of human beings. He was the late Haji Hafiz Syed Waris Ali Shah Saheb of Deva. Deva is an ancient town to the north of Bara Banki, seven miles from the headquarters of the district. Like other towns, it has not escaped the ravages of time. Unsightly ruins and mouldering walls meet the eye on every side, but the moral decay is no less remarkable than the physical. Noted once as the birth-place of great Sufis and divines, it is now notorious as the hot-bed of intrigue and litigation.

Haji Saheb was at one time a familiar figure in Oudh, and his name was a household word; but there were not many people then, and they are fewer still, who knew the story of his life. He came of a family of Hussaini Syeds, distinguished for piety and learning. His genealogy (carefully preserved) shows that he was born in the 26^{th} generation of Hazrat Imam Hussain. His father, Syed Qurban Ali Saheb, belonged to the proprietary body and was a land-owner of substance. He was a man of considerable learning and had completed his education in Baghdad.

Marfat.com

INTRODUCTORY

This paper was originally written and published in 1922 in the Journal of the Historical Society of U.P. at the instance of Sir Richard Burn, Kt., C.S.I., I.C.S., late member of the Board of Revenue (United Provinces) who showed a keen interest in the subject. On the insistent demand of some friends I have been persuaded to publish it again, after some alterations, in its present form.

The question may yet pertinently be asked whether in these times when the mystic element in Faith can hardly be tolerated the majority would care to know any thing about Sufism. "The majority", said Mathew Arnold, "are bad". I am fully conscious of the fact that the subject is not one which can tickle the ordinary palate. To my mind, a creed which discards all forms and rituals and is concerned chiefly with the spiritual development of man ought to appeal more to reason than narrow-minded sectarianism encumbered with all the outward paraphernalia peculiar to every religion. Even if a small minority (whatever its religion or creed) could be led by the example presented in these pages to appreciate the principle of universal love and lay it to heart, religious antagonism would lose much of its bitterness and the differences arising out of petty communal jealousies would begin to show signs of softening.

Jaipur — S.I.H.
22 August 1927 — (Syed Iftikhar Hussain Warsi)

Marfat.com

and also copied the epitaph installed over the tomb. He viewed different writings on the life of the saint. But, due to his busy schedule, he could not consummate this task. Later, he appointed Molvi Iftikhar Hussain to write a journal on the life of Haji Saheb. The writer, therefore, put in black and white with great devotion and dedication what most devotedly was expected of him. In brief, this journal.is the emanation of the vision and wisdom of a learned and honourable European.

Marfat.com

APPRECIATION

(By: Mirza Ibrahim Beg Shaida Warsi Lucknovi)

The title of the book is "*A NINETEENTH CENTURY SAINT.*" It was compiled by Honourable Molvi Iftikhar Hussain Warsi Kakorvi (Late), the Registrar Chief Court Lucknow, in a very decent English. The writer has recalled concisely some of the incidents of the biography of the great saint in this pamphlet. But in every incident of this spiritual leader, Syed Haji Waris Ali Shah Saheb, the symbol of the light of God, is of great veracity and spiritualism. So it is conceivable that this concise collection is beneficial to the talented European community who craze for spiritualism and the true faith.

Its compilation has been desired and incited by a European who himself admits his devotions and thus admits the greatness of this spiritual leader. Mr. Burn, Member, Board of Revenue, while he was serving as commissioner in Banaras, he got the intuition that a great spiritual personality of India whose life and character directly evolve from the Christ, the compilation of his biography is his sacred duty, and he made this effort to give practical shape to this idea. He collected all the books published on the subject to enable him to take up the task of writing the biography of the great saint. He even collected ten different pictures of various eras to be given at the start of every chapter for easy perception of the readers. He visited Dewa Sharif, demanded map of the tomb of the saint

Marfat.com

FOREWORD

This paper was originally published in the form of a pamphlet in 1922 by Khan Bahadur Deputy Iftikhar Hussain of Kakori, on the personal request of Mr. Burns the then member of the Board of Revenue in the United Province of Agra and Oudh. It was re-published in 1927 by the author and is being re-printed at the request of His Excellency Mr. Ghulam Muhammad, the Governor-General of Pakistan, for the benefit of persons interested in the life of the great saint of Deva Sharif.

RAZI AHMED
Manager,
Astana-e-Warsi.

Deva Sharif
December, 1954.

Marfat.com

world. Many writings on his life, miracles and teachings, have come forward in English, Urdu and Persian. This book "A Nineteenth Century Saint" is actually the result of the boundless affection and devotion of British Commissioner for Syed Haji Waris Ali Shah Saheb. It was compiled and published by Syed Iftikhar Hussain Warsi Registrar Chief Court Lucknow. This book has not been available for long. Now it is being offered again with its Urdu version owing to the boundless interest of the Warsi brethren.

The new publication of the book with such a beauty and splendeur is the outcome of the unlimited affection and kindness of Hazrat Al-Hajj Faqir Izzat Ali Shah Warsi, May Allah sustain us under his care and favour. And May he keep distributing the general Love and affection preached by the Warsi Saints. And May the devotees enjoy the eternal taste of spiritual pleasure.

Translator of the book

Rashed Aziz Warsi

Sanghoi -- Jhelum (Pakistan)

Date : 01-02-1425

: 23-03-2004

Marfat.com

This is the same message preached by Hazrat Muhammad (SAS) to his followers, and later taught by Hazrat Abu Bakr Siddique (RA), Hazrat Umer Farooq (RA), Hazrat Usman Ghani (RA), Hazrat Ali Al Murtaza (RA), Hazrat Imam Hassan (RA), Hazrat Imam Hussain (RA), Hazrat Zain-ul-Abideen (RA), Hazrat Salman Farsi (RA), Hazrat Abu Zar Ghafari (RA) and the Fellows of Suffah (RA). With the passage of time, this education of Favour (Ehsan) was offered with different interpretation by Hazrat Khawaja Awais Qarni (RA), Hazrat Hassan Basri (RA), Hazrat Junaid Baghdadi (RA), Hazrat Bayezid Bustami (RA), Hazrat Data Ganj Bakhsh Ali Hajveri (RA), Hazrat Shaikh Abdul Qadir Jilani (The Great Ghous) (RA), Hazrat Sheikh Shahab-ud-Din Suhrwardi (RA), Hazrat Baha-ud-Din Naqashbandi (RA) and Hazrat Khawaja Moeen-ud-Din Chishti Ajmeri (RA), it was named as Tasawuf. In the light of this Tasawuf, Hazrat Khawaja Qutb-ud-Din Bukhtiar Kaki (RA), Hazrat Baba Farid-ud-Din Gang Shakr (RA), Hazrat Nizam-ud-Din Mehboob Ilahi (RA), Hazrat Mujaddad Alf Sani (RA), Hazrat Baha-ud-Din Zakriya Multani (RA), Sultan-ul-Arifeen Hazrat Sultan Bahoo (RA), Shams-ul-Arifeen Hazrat Khawaja Shamsuddin Sialvi (RA), Hazrat Noshah Ganj Baksh Qadri and Hazrat Syed Hafiz Haji Waris Ali Shah (RA), dedicated their lives for the reformation and welfare of humanity.

Hazrat Syed Haji Waris Ali Shah (RA) conveyed the message of Favour (Ehsan) and Tasawuf to humanity in the form of Love. In the world of spiritualism he was the founder of a great lineage of saints "Silsilah-I-Warisyah." His personality needs no introduction. His followers are found all over the

Marfat.com

THE PREFACE

Thanks Almighty Allah that He blessed us with a complete code of life in the shape of Islam, The perfect and the wholesome one. It guarantees all the needs and developments of man, both individual and collective, spiritual and physical as well as economic and social. In Islam the foundation of creed and worship, and human affairs, has been based on Quran and Sunnah. To practise the Shariah given by Quran and Sunnah is obligatory upon every sane Muslim. Islam demands its followers the purity of self, the sincerity of heart and the practice according to the belief "Preach the goodness and forbid from evils."

But to be endowed with superior qualities of piety, virtue and sincerity of heart are not possible until and even man makes Allah a witness over all his acts and deeds. The Holy Prophet (SAS) referred this state in his saying, "Favour (Ehsan) is, that, you worship Allah as if you are looking towards Him, or if you do not look towards him (at least be sure) that He is looking upon you."

Rather, with this belief and perception, that Allah is aware of every deed and doing and, is all the time gazing at me. This way man gets internal and external purity. This state is called Favour (Ehsan) the name given to this state is called Tasawuf.

Marfat.com

In the Honour of

I offer my affections and devotions
to the descendant of
Syed Haji **Waris Ali** Shah Saheb
The benefactor of the world

Hazrat Haji
Faqir Izzat Shah Warsi

I lead my way to the centre of Love
with the most wanting heart and soul.
It will be matter of great honour
For me if it finds his acceptance.

With great humility
Rashed Aziz Warsi

Marfat.com

Earning Special Favours of

Hazrat Hafiz Haji Waris Ali Shah

Under the aegis of

Hazrat Haji Faqir Izzat Shah Warsi

Muntazim-e-Aala

Astana Aalia Warsia Chappar Sharif
(Changa Bangial) Teh. Gujar Khan
Distt. Rawalpindi (Pakistan)

Published By:

Maktaba-e-Warsia

Sanghoi - Jhelum - (Pakistan)

Printed By:

Book Corner

Printers, Publishers & Booksellers
Main Bazaar Jhelum Pakistan

Marfat.com

The Grandeur of Saintlihood

Listen carefully! No doubt, there is no fear nor any grief upon the friends of Allah. Those who believe and keep up their duty. For them, are, glad tidings in the life of the world and in the Hereafter.

The words of Allah are not changed. That indeed is the supreme triumph.

(Al-Quran-Sura Younas-Chapter = 11)

Marfat.com

Benedictions over the Prophet

Undoubtedly, Allah and His angels send blessings up on the Prophet, the communicator of unseen news, O you who believe! Send upon him blessings and salute him fully well in abundance.

(Al-Quran – Sura Al—Ahzab = 56 – Chapter = 22)

صلوا على الحبيب

اللهم صل على محمد وآله بقدر حسنه وجماله

Marfat.com

HYMN

- All praise be to Allah, Lord of all the worlds.
- The most Affectionate, the Merciful.
- Master of the Day of Requittal.
- We worship you alone, and beg You alone for help.
- Guide us to the right path.
- The path of those whom You have favoured.
- Not of those who have earned Your anger and, not of those who have gone astray.

(Al-Quran – Sura Fatiha – Chapter = 1)

Marfat.com

IN THE NAME OF ALLAH THE MOST BENEFICENT, THE MOST MERCIFUL.

A NINETEENTH CENTURY SAINT

Written By

Iftikhar Hussain Warsi Kakorvi

(Registrar Chief Court Lucknow)

Translated By

Rashed Aziz Warsi

(M.A. Islamic Studies, History & Pak. Studies)

Marfat.com